كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰہِ

تم سب امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں میں ظاہر کی جا چکی ہیں۔ کیونکہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو (آل عمران ع ۱۱)

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

خلافت پاکستان

از مجاہد اسلام مولانا عبد الستار خان صاحب نیازی ایم۔اے۔

سابق صدر شعبۂ اسلامیات اسلامیہ کالج لاہور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجماعِ ملّت کے لیے تعمیری تجاویز

تحریکِ خلافتِ پاکستان

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ
لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَـيْــــًٔا"

ترجمہ:- "تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور عمل بھی اچھے کریں اللہ انہیں زمین پر خلافت (حکومت) دینے کا وعدہ کرتا ہے جیسے ان سے پہلوں کو خلافت (حکومت) دی۔ پھر اللہ ان کے لئے اپنا پسندیدہ دین مستحکم کردے گا اُن سے خوف دُور کر کے انہیں امن دیا جائیگا وہ میری عبادت کریں گے اور کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرائیں گے"۔

؎ خلافت بر مقامِ ما گواہیست — حرام است آنکہ برما پادشاہیست
ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ — خلافت حفظِ ناموسِ الٰہیست۔ (اقبالؔ)

از

مجاہدِ ملّت مولانا عبد الستّار خان صاحب نیازی ایم اے

داعی تحریکِ خلافتِ پاکستان لاہور

ناشر:- راس الاطبا حکیم محمد انور صاحب بابری آفس سیکرٹری تحریکِ خلافتِ پاکستان برکت علی اسلامیہ ہال لاہور

تحریک خلافت پاکستان

فہرست مضامین

چٹان پرنٹنگ پریس، ۸۔ میکلوڈ روڈ لاہور

تحریک خلافت پاکستان

ملت کے تمام طبقات علماء صوفیا سجادہ نشین حضرات، زعماء ملت، وکلا، طلبا، سیاسی کارکنان اور دیندار محب وطن حامی شرافت حضرات کی توجہ کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز تحریک خلافت پاکستان کی جانب سے برائے اجماع ملت شائع کی جاتی ہیں۔

نظریہ پاکستان

پاکستان کا قیام دو قومی نظریہ کی بنیاد پر عمل میں لایا گیا تھا اور دو قوم کے نظریہ کی بنیاد سوائے اسلام کے اور کچھ نہ تھی اور نہ ہے، یہی وجہ ہے کہ جس قدر اسلام کو پاکستان کا ضابطہ حیات بنانے میں تعمل یا تاخیر ہوتی ہے اتنا ہی پاکستان کی سالمیت، اتحاد و استحکام میں خلل پیدا ہوتا ہے جب قوم کی توجہ اسلام سے ہٹائی جاتی ہے تو سوائے صوبہ پرستی، زبان پرستی، علاقائیت ذاتیات، پارٹی بازی، اشتراکیت، اشتمالیت، پارلیمانی جمہوریت، لامرکزیت، اور تخریبی تصادم کے دوسرا کوئی نصب العین سامنے نہیں رہتا۔ غرض اسلام سے جدا ہو کر خود پاکستان میں بھی انتشار پیدا ہوتا ہے اور اس کے اپنے دوستوں کے کام آنے کی استعداد بھی ضائع ہو جاتی ہے۔

قیام پاکستان کے لئے قربانی

ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں نے یک زبان ہو کر پاکستان کا مطالبہ کیا۔ پاکستان بنا۔ تو اس مطالبہ کرنے والوں میں سے نصف یعنی تقریباً پانچ کروڑ پاکستان سے باہر رہ گئے۔ نہ صرف باہر رہ گئے بلکہ ہندوستان کے لونڈی غلام بن گئے، اس قسم کے لونڈی غلام جو پرانے زمانے میں ملک فتح کرنے والے بنایا کرتے تھے۔ ایک کروڑ کے قریب پاکستان کے شیدائی کلکتہ، بہار، گڑھ مکتیشور بھرت پور، پٹیالہ، مشرقی پنجاب، بمبئی، دہلی۔ بریلی، رام پور، جوناگڑھ، کشمیر اور حیدر آباد کے قتل عام میں شہید ہو گئے۔ ایک کروڑ کے قریب مسلمان اپنا گھر بار، وطن، جائیداد عزیز پیارے، اور عمر بھر کی کمائیاں ہندوستان چھوڑ کر پاکستان میں پناہ گزیں ہو گئے، پچاس ہزار عصمتیں کفار کے ہتھے چڑھ گئیں، سینکڑوں اسلامی مقامات مقدسہ کی توہین ہوئی۔ ارب ہا ارب کی جائیداد مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر کافروں کے قبضہ میں چلی گئی۔ بڑے بڑے کتب خانے، دینی مدارس، اور آثار قدیمہ جن میں تاج محل، قطب مینار، لال قلعہ، دہلی اور آگرہ کی دیگر عمارات، حیدر آباد، جوناگڑھ اور بھوپال جیسی ریاستیں جن کے رقبے اور آمدنی دنیا کے متمول ترین ملکوں سے ٹکر کھاتی تھی، ہمارے ہاتھ سے نکل گئے، نسل آدم نے اپنی آفرینش سے لے کر آج تک کسی ایک مقصد کے لئے ایک وقت میں اتنی بڑی قربانی کبھی پیش نہیں کی۔

پہلی جنگ عظیم و دوسری جنگ عظیم کے نقصانات کا ایک جگہ میزان کیجیے۔ دنیا کے کسی ملک نے ایک ربع صدی میں ان دو نو جنگوں کے اندر وہ قربانی نہیں دی جو ہم نے قیام پاکستان کی خاطر ایک سال کے اندر دی، جرمنی نے دو جنگوں میں شکست کھا کر یہ نقصان برداشت نہیں کیا، روس نے ہٹلر کے ہاتھوں پٹ کر بربادی ملک کی پالیسی پر عمل کر کے یہ نقصان نہیں اٹھایا۔ صلاح الدین ایوبیؒ کے زیر قیادت مسلمانوں نے صلیبی جنگوں میں اتنی بڑی قربانی نہیں دی تھی، چنگیز خاں کی عالمگیر فتوحات کے نقصانات کتابوں میں درج ہیں اس نے اپنی تمام فتوحات میں اتنا نقصان نہیں اٹھایا تھا۔

غائیت پاکستان

یہ تمام قربانیاں قیام پاکستان کی خاطر تھیں سوال پیدا ہوتا ہے قیام پاکستان سے کیا مراد تھی ؟ کیا ہمارا مقصد پورا ہو چکا ہے ؟ کیا آج پاکستان کے تمام شہری پاکستان کے مفہوم پر اس طرح متفق ہیں جس طرح اس کا مطالبہ کرتے وقت متحد تھے۔ اگر ایسا نہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم سب کام چھوڑ کر پہلے یہ طے کرلیں کہ پاکستان کے مطالبہ سے ہماری مراد کیا تھی ؟ پاکستان کو آج کیا مسائل درپیش ہیں۔ ہم انہیں کس طرح حل کر سکتے ہیں۔ شہیدوں کی روحیں، مہاجرین کی بربادی، لٹی ہوئی عزت، مقدس عہد و پیمان، دنیا و آخرت دونو ہم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم نے جس منزل کی نیت کر کے قافلہ کو تیار کیا تھا انہیں نگاہوں کے سامنے رکھیں ورنہ فطرت کا یہ اٹل دستور ہے کہ افراد کی طرح جو قوم یا ملک اپنے وجود کا مطلب بھول جائے اسے دردناک عذاب میں گرفتار ہونا پڑتا ہے۔

موٹے الفاظ میں پاکستان کے مطالبہ میں دو اغراض پوشیدہ تھیں، پہلی غرض تو یہ تھی کہ اسلام سچا دین ہے اس کے مطابق ہمیں زندگی بسر کرنا موقع ملا تو دونو جہانوں میں ہماری بھلائی ہوگی۔ کافروں کے ساتھ ایک سلطنت میں رہ کر ہم شاید ذاتی ایمان تو محفوظ رکھ سکیں لیکن ہماری اجتماعی ہیئت قومی کردار، اور سیاسی زندگی، اسلام سے محروم ہو جائے گی یہ امر ہمیں پسند نہ تھا۔ چنانچہ ہم اپنے اس خیال کو یوں ادا کرتے تھے کہ مسلمان اور اس کا دین اور سیاست ایک ہے۔ مذکورہ بالا تمام قربانیاں اس وقت بھی ہم سے اوجھل نہ تھیں لیکن ہم یہ سوچتے تھے کہ یہ تمام قربانیاں دے کر بھی اگر ہمیں بلا شرکت غیرے مسلمانوں کا خالص ملک مل جائے تو وہ کافروں کے ساتھ کھچڑی پکانے سے بہتر ہوگا۔ ہمارا خیال تھا کہ پاکستان بن گیا تو ہم یہ تمام نقصانات پورے کر لیں گے، قیمت زیادہ ہے لیکن سودا بھی دلپسند ہے، اس لئے مہنگا نہیں۔

قائداعظم کا نسخہ اتحاد

قائداعظم نے جب ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر، ایک جھنڈے تلے، ایک قیادت کے ماتحت ایک مقصد کی خاطر متحد کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا تو مسلمان مختلف مذہبی فرقوں، سیاسی جماعتوں، اور صوبائی عصبیتوں، اقتصادی طبقات اور قبائلی امتیازات میں اُلجھے ہوئے تھے، قائداعظم نے ان تفرقوں کی مذمت میں اپنا زیادہ وقت یا کوشش صرف نہیں کی، انہوں نے برصغیر میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے جداگانہ خطہ وطن (HOME LAND) کا مطالبہ پیش کر دیا، اور ہر گروہ کو یہ دعوت دی کہ وقتی طور پر دیگر اختلافات کو ملتوی کرتے ہوئے اس مشترکہ نصب العین کو اپنا لیا جائے، بات واضح تھی اگر مسلمان ہی باقی نہ رہے تو ان کے جداگانہ گروہ اپنے مخصوص مقاصد کو کہاں پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں گے، جب قوم ایک مقصد پر متفق ہو گئی تو قائداعظم کا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ بغیر کسی جماعت کی صورت میں منظم ہوئے مشترکہ مطالبہ نہیں منوایا جا سکتا۔

جب قیام پاکستان کے بعد مشترکہ مطالبہ حاصل ہو گیا تو پرانے تفرقات نے دوبارہ سر اُٹھایا، ہر گروہ نے جس مخصوص مقصد کی خاطر وطن حاصل کیا تھا اس نے کوشش شروع کر دی کہ پاکستان کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرے۔ جس سرکاری ملازم نے پاکستان کی حمایت اس لئے کی تھی کہ اسے ہندو اور انگریز کے ماتحت نالائق قرار دے کر ترقی سے محروم رکھا جاتا تھا اس نے ایک زقند لگائی اور اپنے مخصوص محکمہ بلکہ بعض صورتوں میں کچھ دوسرے محکموں کا افسر اعلیٰ بن بیٹھا، جس تاجر کو یہ شکایت تھی کہ غیر مسلم سوداگر اس کی دکان نہیں پنپنے دیتے اس نے پوری منڈی پر اپنا سکہ جما لیا اور برسوں نفع نہ کما سکنے کا انتقام گراں فروشی سے لینے لگا، قیام پاکستان کی جدوجہد روا روی میں شروع ہوئی، اور دس سال کے اندر اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی اس لئے جب اقتدار اس تحریک کے قبضہ میں آیا تو حکومت کے ہر شعبے کو سنبھالنے کے لئے تحریک میں ایسے آزمودہ کار کارکن موجود نہ تھے جو ایک طرف

تحریک کے مقاصد سے ایثار پیشہ وابستگی اور دوسری جانب حکومت کے مخصوص شعبوں کو چلانے کی قابلیت اور تجربہ سے بہرہ ور ہوتے، نتیجہ یہ نکلا کہ قیام پاکستان غالباً تاریخ میں وہ پہلا انقلاب تھا جس کے بعد حکومت کی تمام کلیدی اسامیوں پر وہی لوگ قابض رہے جنہوں نے انگریز یا ہندو کے ماتحت تربیت حاصل کی تھی۔ جن کا فلسفہ زندگی اور جن کی شخصی وفاداریاں تحریک پاکستان کے مقاصد سے متصادم تھیں۔ علاوہ سرکاری ملازمتوں کے معاشرہ کے مختلف طبقات میں ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی موجود تھی جو قوم سے غداری کر کے انگریز یا ہندو کے وفادار ملازم کی پنشن آج تک پاکستان کے خزانے سے وصول کر رہے ہیں۔ ان سب عوامل پر مستزاد یہ کہ ایک سو سال تک لارڈ میکالے کا ایجاد کردہ اور فرنگ زدہ طبقہ کی کوشش سے مسلمانوں میں رائج شدہ نظام تعلیم مسلمانوں کے ہر طبقے میں ایک ایسا ذہن پیدا کر چکا تھا جو اسلامی علوم سے ویسا ہی بے خبر تھا جیسا کہ مغربی علوم میں اس کی واقفیت شُد بُد سے آگے نہ تھی۔ اس ذہن میں ایک عجیب دھندلکے کا عالم ہمیشہ طاری رہتا تھا۔ قائداعظمؒ نے قیام پاکستان کی جنگ انگریز اور ہندو سے لڑی تھی اس لئے ان کی تمام تحریکیں ان مصطلحات میں بیان کی گئیں جو اس دوغلے ذہن کے لئے ہندو اور انگریز کے قرب کے باعث اچھی طرح قابل فہم تھیں، یوں اس ذہن نے زندگی میں پہلی مرتبہ یہ دماغی اور قلبی سکون محسوس کیا کہ قائداعظمؒ کا مقصد یعنی پاکستان تو اُن کے قلب کے اس حصہ کو کشش کرتا تھا جس میں اسلامی ورثے سے پایا ہوا خون گردش کر رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ قائداعظمؒ کی چلائی ہوئی تحریک کی جمہوری آئینی اور عہد حاضر میں رائج مصطلحات اُس ذہن کے اُن حصوں کے لئے سازگار تھیں جہاں انگریز کے مدرسے اور ہندوؤں کے اخبارات سے پڑھا ہوا علم دبکا بیٹھا تھا۔

پاکستان بن گیا تو وہ مشترکہ مقصد جس کی کشش نے مختلف مسلمان گروہوں کو ایک جماعت میں منسلک کر دیا تھا۔ ان کو اکٹھا رکھنے کی استعداد سے محروم ہو گیا۔ دوسری جانب مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہن اور قدیم وضع کے روایاتی اسلامی قلب میں ایک نئے تصادم کا موقع فراہم ہو گیا۔ اس روحانی، اخلاقی اور ذہنی تصادم کو اقتصادی و سیاسی بلکہ معاشرتی رقابت کے جذبہ نے زیادہ تلخ کر دیا۔ قدیم وضع کا مسلمان سمجھتا ہے کہ فرنگ زدہ "کرنٹے" محض اعلیٰ عہدوں شاندار کوٹھیوں، بے پردہ بیگمات، فاخرہ موٹر کاروں اور ناجائز اندوختے یا جائداد کو محفوظ اور برقرار رکھنے کے لئے اسلامی نظام کو رواج دینے کے خلاف بے سروپا عذر تراشتے رہتے ہیں۔ دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ طبقات کو زعم ہے کہ یہ برخود غلط "مُلّنٹے" خدا، رسول، جنت، دوزخ اور فرشتوں کے ذکر میں اُلجھا کر اُمت کے اقتدار اور ملکی دولت میں وہ حصہ چھیننا چاہتے ہیں جس کے حقدار فقط ہم جیسے روشن خیال ہو سکتے ہیں جنہوں نے مہذّب غیر مسلم اقوام کے علوم و فنون پر بھی عبور حاصل کر لیا ہے۔

ان حالات میں پاکستان کے اندر ملّی اتحاد قائم کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ کسی ایک گروہ کو منظم کر کے ایک ایسی طبقاتی پارٹی بنائی جائے جو آئندہ الیکشن میں کسی نہ کسی چال سے دوسرے گروہوں کو شکست دے کر ماتحتی قبول کرنے پر مجبور کر دے۔ اس وقت ملک کی اکثر سیاسی پارٹیاں اسی اصول پر منظم کی گئی ہیں۔ اس طریق کار میں قباحت یہ ہے کہ جو پارٹی دراصل کسی ایک گروہ کے مفاد کو ترجیح دینے کی خاطر منظم کی گئی ہو۔ اس سے یہ توقع رکھنا عملاً محال ہے کہ وہ دیگر گروہوں کو محض چالبازی سے اپنی تائید پر راغب کر سکے گی۔ یہ طبقاتی یا گروہی سیاسی پارٹیاں سوائے باہمی تلخی اور انتشار کو فروغ دینے کے کوئی تعمیری خدمت بمشکل ہی انجام دے سکتی ہیں۔ برعکس اس کے اگر موجودہ حالات میں قیام پاکستان کے بعد بھی اسی طریقہ کار کے ماتحت ملّت کا اتحاد برقرار رکھنے کی کوشش کی جائے جس کے ذریعے قیام پاکستان سے قبل قائداعظمؒ نے ہندوستانی مسلمانوں کو ایک تحریک میں شامل کر لیا تھا تو کامیابی کی زیادہ اُمید ہو سکتی ہے۔ اس طریقہ کار کا تقاضا یہ ہو گا کہ ملت پاکستانیہ کے تمام گروہوں اور طبقات کی قدر مشترک

کو ایک ٹھوس نصب العین کی شکل دے کر تفصیلی پروگرام کی صورت میں پیش کیا جائے۔ جب تک وہ عوامل اور واقعات (FACTORS and FACTS.) موجود ہیں جنہوں نے ان طبقات اور گروہوں کو جنم دیا ہے تب تک یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ یہ طبقات یا گروہ یہ طبقات یا گروہ ختم ہو جائیں گے۔ اور جب تک یہ طبقات یا گروہ موجود ہیں تب تک ان سب کو متحد کرنے کی صورت یہی نکل سکتی ہے کہ گروہی اور طبقاتی سیاسی پارٹیاں اپنی جگہ کام کرتی رہیں لیکن ان سب سے بالا ایک ایسی تحریک جاری کی جس کے مقاصد اور پروگرام کو نظر انداز کر کے کوئی گروہ یا کوئی طبقہ بھی باقی نہیں بچ سکتا۔

مقاصد

اسلام اور پاکستان

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح قیام پاکستان سے قبل پاکستان کے نصب العین نے سارے ملت میں اتحاد پیدا کر دیا تھا اسی طرح اب پاکستان بن جانے کے بعد وہ کونسے مقاصد ہیں جن کی خاطر قوم کے تمام بکھرے ہوئے طبقات اور گروہ یکجا ہو سکتے ہیں۔ ۱۹۴۵ء میں گاندھی جناح خط و کتابت کے دوران قائداعظمؒ نے لکھا تھا کہ مسلمانوں کے اعتقادات اقدارِ حیات رہنے سہنے کے ڈھنگ اور زندگی کے مقاصد غیر مسلموں سے جدا ہیں۔ جب تک ایک جُدا ملک میں مسلمانوں کی ایک جُدا خود مختار حکومت قائم نہیں ہو جاتی یہ مقاصد پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتے۔ پاکستان کی شکل میں جُدا وطن قائم ہو گیا اور آزاد اسلامی جمہوریہ پاکستان بھی بن گئی لیکن جب مقاصدِ زندگی کی اقدار کا سوال پیدا ہوتا ہے تو کہیں فرقہ وارانہ اختلافات سامنے آ جاتے ہیں، کہیں مختلف مکاتیب فکر آپس میں ٹکراتے ہیں اور کہیں مختلف سیاسی پارٹیاں ایک دوسرے کی رقابت میں سچ کو سچ ماننے پر بھی تیار نہیں۔ لے دے کر اگر کوئی مقصد ہے جس سے کسی ایک پاکستانی کو بھی اختلاف نہیں تو وہ تحفظِ پاکستان ہے۔ اس پر سب کو اتفاق ہے کہ پاکستان کو بچانا اور ترقی دینا چاہیئے۔ تعبیر اور تاویل میں کتنا ہی اختلاف کر لیجیے لیکن اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پاکستان کی بنیاد اسلام اور صرف اسلام پر ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ اگر کبھی پاکستان کو دنیاوی مملکت بنانے پر زور دیتا ہے تو اس تعلیم یافتہ طبقے کے مخلص عناصر کا مقصد در اصل اسلام کی تنقیص نہیں ہوتا۔ فی الحقیقت وہ مسلمانوں کے بعض رواجی اور رسمی طور طریقوں کو اسلام کے بنیادی اصولوں سے جُدا کر کے غلط ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ہاں اسلامی علوم سے بیگانگی اور علوم مروجہ سے بھی کامل واقفیت نہ ہونے کے باعث بسا اوقات تعلیم یافتہ طبقہ مسلمانوں کے ان رسمی اور رواجی طور طریقوں کی مخالفت ایسے الفاظ میں کر جاتا ہے کہ اس پر اسلام کی مخالفت کا گمان ہونے لگتا ہے۔ یا کسی وقتی فائدے کی خاطر نادانستہ یہ تعلیم یافتہ طبقہ کسی ایسے اصول کی حمایت کر بیٹھتا ہے جو اسلام سے متصادم ہوتا ہے۔

اسلام کے مندرجہ ذیل چھ بنیادی اصول مسلمانوں کے تمام فرقوں، تمام طبقات اور ہر پارٹی کے نزدیک متفقہ ہیں۔

(۱) غیب

قرآن مجید میں آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک مسلمانوں کی پہلی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ صرف اپنے علم کو اپنے فیصلوں کا معیار نہیں قرار دیتا۔ وہ یہ جانتا ہے کہ اس کائنات کے متعلق اُسے جن اُمور کی واقفیت حاصل ہے اُن کے مقابلے میں بہت زیادہ امور کی ناواقفیت ہے۔ جو کچھ وہ نہیں جانتا اس کے متعلق اُسے ان لوگوں کی رہنمائی قبول کرنے میں عار محسوس نہیں ہوتا جو جانتے ہیں۔ مسلمان کی یہ روشن زندگی کے کسی ایک پہلو تک محدود نہیں۔

(۲) آخرت دنیا کے ہر کاروبار میں مسلمانوں کی نگاہِ عاقبت بینی، دوُر اندیشی اور انجام کار پر رہتی ہے۔ یہ روشن جہان مسلمان کی زندگی کو مرت سے غافل نہیں ہونے دیتی، وہاں مسلمان کے ہر انفرادی اور اجتماعی فعل کو بھی بحیثیت مجموعی پُر معنی بنانے پر منتج ہوتی ہے۔

(۳) توحید جو شخص ہر دائرۂ علم کے اندر اُن حقائق کو بھی ملحوظ رکھتا ہے جو اس دائرہ سے باہر ہیں اور جو شخص ہر وقتی یا ہنگامی احساس کو انکی عاقبت اور انجام کی کسوٹی پر پرکھتا رہتا ہے، ایسے شخص کو بہت جلد یقین ہو جاتا ہے کہ کائنات اور موجودات کے تمام محسوس اور معلوم مظاہر کو پیدا کرنے والی کوئی ایسی قوت یا ہستی ہے جسے بجائے خود ہمیشگی حاصل ہے۔ وہ کسی کی محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ بالآخر تمام امور اس کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ اُسی کی رضا و منشاء سے کائنات اور ماورائے کائنات کی ہر معنویت قائم ہے۔

(۴) رسالت جب کوئی شخص غیب، آخرت اور توحید پر ایمان لے آتا ہے تو پھر اس کے لئے یہ سمجھنا اور قبول کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے کہ غیب کی خبریں سُنانے والا، آخرت کی بہتری کی تدابیر بتانے والا اور توحید کے راز سے روشناس کرانے والا آخری نبی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس امر منصب کا مستحق ہے کہ تمام اُمتی اس کی تعلیمات کو زندگی اور موت دونوں حالتوں میں واجب الاطاعت قانون تسلیم کریں۔

(۵) سُنّت رسُولؐ کی تعلیمات کی روشنی میں غیب، آخرت اور توحید کا مفہوم سمجھنے والے افراد اور اُن کے خاندان تھوڑے ہی عرصہ میں ایک جُداگانہ اخوت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ایسی نئی اُمت، سُنّت الٰہی کا سُراغ سُنّتِ رسولؐ سے لگاتی ہے بسُنت رسُولؐ کی تحقیق، سُنّتِ صحابہؓ و تابعینؒ و سلف صالحینؒ سے متعین کرتی ہے۔ سُنت الٰہی جب الفاظِ وحی میں بیان ہوتی ہے تو کتاب کی شکل اختیار کرتی ہے اور جب اعمال کی صورت میں اس کا اجتماعی اظہار ہوتا ہے تو جماعت کا قالب اختیار کر لیتی ہے۔

(۶) خلافت غیب، آخرت، توحید، رسالت اور سُنّت کے اصولوں کے مطابق روحانی اور جسمانی زندگی بسر کرنے والا معاشرہ جب کسی خطۂ زمین میں قدرت حاصل کر لیتا ہے تو اُسے خلافت کا منصب حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسے معاشرے کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہاں تمام اقتدار نیابت رسولؐ کے اصول پر قائم ہوتا ہے۔ یہاں ہر قسم کی دولت امانت کے اصول سے حاصل کی جاتی ہے اور صرف ہوتی ہے۔

اسلامی حکومت مذکورہ بالا بنیادی اصولوں کی روشنی میں انسان کی اجتماعی زندگی کا جو نقشہ سامنے آتا ہے اس میں حاکم اور محکوم اور سلطان یا رعایا کے متعلق تصورات کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ حکومت کا رعایا سے جدا کوئی وجود نہیں۔ خلافت کے نظامِ حکومت کے ماتحت خود ساری اُمت ہی اپنے آپ کو ایک اخوت کی صورت میں منظم کر کے امارت اور امامت کے فرائض ادا کرتی ہے۔ امیر صرف اس لئے امیر ہے کہ وہ خدا اور رسولؐ کے احکام یا اوامر و نواہی پر کو نافذ العمل کرواتا ہے، امام اس لئے امام ہے کہ وہ شریعت نافذ کرانے کا فریضہ ادا کرتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں سلاطین اور بادشاہوں کا ذکر اس لحاظ سے گمراہ کن ہے کہ مسلمان سلاطین کو کبھی فرنگی اور روسی سلاطین کی طرح حرام اور حلال یا نصّ تبدیل کرنے حق حاصل نہیں رہا۔

اسلامی ریاست کے دو اور پہلو قابل توجہ ہیں۔ داخلی طور پر اسلامی ریاست کسی ایک طبقہ یا گروہ کی نمائندہ نہیں ہوتی۔ بلکہ "الخلق عیال اللہ" کے اصول کے ماتحت حکمران گروہ اگر کسی خاص نسل یا خاندان سے تعلق رکھتا ہے تو کم از کم اصولاً اُسے یہ اقرار ضرور کرنا پڑتا ہے کہ حکومت رعایا کے نام

طبقات کی یکساں خبر گیری اور بہتری کے لئے قائم ہے۔ یہ صورت تمام غیر اسلامی نظام ہائے حکومت سے اس لحاظ سے ممیز ہے کہ وہاں حکومت کو اصولاً جابر، قاہر اور صاحب تسلط تسلیم کیا جاتا ہے۔ مغرب میں ریاست کا یہی قاہرانہ تصور تھا جس نے مارکس کو اس نتیجہ پر پہنچنے کی جانب مائل کیا کہ حکومت چونکہ آلۂ جبر ہے (Weapon of Coersion) اس لئے یہ آلۂ جبر سرمایہ دار کے ہاتھ سے چھین کر مزدور کے ہاتھ میں دینا چاہیئے تاکہ مزدور باقی تمام معاشرتی طبقات پر جبر کر سکے۔ جمہوری نظامِ حکومت میں اقتصادی مسابقت اور مقابلہ کا اصول تسلیم کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے امیر چونکہ کمانے کی دوڑ میں آگے بڑھ گیا اور غریب پیچھے رہ گیا اس لئے سرمایہ دار کو حق ہے کہ وہ دادِ عیش دے اور مزدور مستحق ہے کہ محروم رہے۔ برعکس اس کے اسلامی ریاست میں تمام انسانیت کا بطور ایک کنبے کے تصور، یہ سکھاتا ہے کہ جس طرح کوئی خاندان اپنے نافرمان اور سرکش بچوں کو بھی ضروریاتِ زندگی اور تلقینِ ہدایت سے کبھی محروم نہیں کرتا اسی طرح گنہگار، بلکہ کفار پر بھی ظلم اور محرومی مسلط نہیں کی جاتی۔ نہ ہی اسلامی شریعت کسی حاکم کی ذاتی برتری کی خاطر اس کے رقیبوں کو اس طرح قتل کر دینے، یا تطہیر کی دلیسی مثالیں مہیا کرنے کی اجازت دیتی ہے جس طرح بعض کمیونسٹ ممالک کے واقعات منظرِ عام پر آتے رہتے ہیں۔ نہ ہی جمہوری ممالک میں سیاسی رقیبوں کو رسوا کرنے اور ان پر بہتان تراشی کی مہمات چلانے کی جیسی مثالیں سینیٹر میکارتھی یا پریذیڈنٹ روز ویلٹ یا فرانس اور برطانیہ کی بعض سیاسی پارٹیاں پیش کرتی ہیں انہیں اسلامی اخلاق کی رو سے جائز تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ غرض داخلی طور پر اسلامی ریاست، ایمان، عرفان، تقویٰ، حیا، مساوات، اُخوت، حُریت اور آخرت کے بنیادی اصولوں پر چلتی ہے۔

خارجی طور اسلامی ریاست ملک اور قوموں کی تقسیم کو اصولاً تسلیم نہیں کرتی۔ اسلامی ریاست اپنا دائرہ، اعتقاد و اعمال کی حدود سے معیّن کرتی ہے جغرافیائی کوائف کو اسلامی ریاست محض جسمانی عوامل کی حیثیت سے مدنظر رکھتی ہے وہ ان کی کوئی اصولی حیثیت تسلیم نہیں کرتی۔ اس طرح اسلامی ریاست کا وہ عالمگیر تصور "شُہَدَاءَ عَلَی النَّاسِ" پیدا ہوتا ہے جو مغرب میں زوالِ روما کے بعد ناپید ہو چکا ہے اور جسے کمیونزم نے ٹراٹسکی کے ساتھ ہی ترک کر دیا۔

غرض اسلامی حکومت، داخلی طور پر غیر اسلامی حکومتوں سے اس لحاظ سے بالکل مختلف ہے کہ غیر مسلم حکومتوں میں معاشرے کی بُنیاد تعصب، اوہام، معاشی رقابت اور استحصال پر رکھی جاتی ہے۔ خارجی لحاظ سے غیر اسلامی حکومتیں نوعِ انسانی کو اقوام و دُول میں تقسیم کر دیتی ہیں۔ اسلام کسی مملکت کے نیکوکار باشندوں کو وہاں کے بدکار باشندوں کے ساتھ یا جفا پیشہ عناصر کو مظلوم عناصر کے ساتھ خلط ملط کر کے یکساں وحدت کے طور پر ہرگز قبول نہیں کرتا۔ غیر اسلامی ادارے غیر مسلم حکومتیں، غیر مسلم قومیں اور غیر اسلامی ممالک خیالی تصورات اور اوہام ہیں جن کا دنیا میں کوئی ٹھوس وجود نہیں۔ درحقیقت یہ چند غلط کار یا بدعقیدہ افراد ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو ایک نظامِ حکومت یا ایک پوری قوم کا منصب خود ہی عطا کر دیا ہے اور پھر اس مفروضہ منصب کا ڈھنڈورا اس سے بار بار پیٹا ہے کہ ان نام نہاد اقوام کے سادہ لوح باشندوں یا ان نام نہاد حکومتوں کی بے زبان رعایا کو ان خود گماشتہ وکیلوں کے خلاف احتجاج کرنے کا احساس بھی باقی نہیں رہا۔ اس طرح یہ سیاسی قزّاق، اقتصادی لٹیرے اور ذہین شعبدہ باز اپنے آپ کو "مہذب ممالک" اور "مہذب اقوام" کے القابات سے اسی طرح مشہور کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جس طرح بعض بگڑے ہوئے "نوّاب" اپنے آپ کو کشور کشائے ہفت اقلیم" اور "شہنشاہ گیتی پناہ" کہلاتے تھے گو ان کی جاگیر ایک پورے تعلقے پر بھی مشتمل نہ تھی۔

مسائل

مقاصد سے فرار

اوپر ہم نے اُن بنیادی مقاصد کا سراغ لگانے کی کوشش کی ہے جو بنائے پاکستان تھے۔ اور جن کی کوشش سے آج بھی پاکستانی معاشرہ کے تمام طبقات اور گروہوں کو متحد کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اصولاً پاکستانیوں کی غالب اکثریت ان مقاصد کا اقرار کرتی ہے۔ لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ عملاً قیام پاکستان سے آج تک ان مقاصد کو اربار پسِ پشت ڈالا گیا ہے یا اُن سے فرار کا راستہ اختیار کیا گیا ہے اور بعض دردناک مثالوں میں تو ان مقاصد کو کچل ڈالنے کی کوشش بھی ہوتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔ اور اس کا تدارک کیسے ہو سکتا ہے۔

انسان کی شخصیت کو معلوم کے علاوہ نامعلوم سے وابستہ کرنے عاقبت اندیشی کا سبق سکھانے کائنات اور زندگی کے الگ الگ پہلوؤں کو یکجا کر کے توحید کا سبق دینے، رسالت کی اطاعت قبول کر کے اُمت، جماعت اور خلافت کا قالب اختیار کرنے کی تلقین بلاشبہ ایک بڑی بلند پایہ اور عظیم الشان تلقین ہے لیکن یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ ایک عام لالچی، ناقص، حقیر اور پست انسان کو اس کی سطح سے بلند کرنے کی یہ تلقین ایک خاصی کٹھن مہم ہے۔ انجان کی تلاش میں ہمت صرف کرنا زیادہ مشکل ہو جاتا ہے جب جانی پہچانی شکلیں ہر گھڑی اور ہر قدم پر اپنی جانب کھینچ رہی ہوں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ انجانی ذات بہت بلند ہے اور جان پہچان کی مشغولیتیں بہت پست یا لغو ہیں۔ انجام کا خیال رکھنا دانائی کا تقاضا سہی لیکن نزدیکی اور فوری کشش بہر صورت پہلے اثر کرتی ہے۔ تمام تجربات کو توحید کی لڑی میں پرو کر یکتائی کی نسبت دینا بڑا اعلیٰ کارنامہ سہی لیکن سب کو اکٹھا دیکھنا جس کی دسترس سے باہر ہو، اُسے تو ہر کیفیت کو جدا اُٹھا کر بھی عجیب لذت محسوس ہوتی ہے۔ اگر اس سے شرک لازم آتا ہے تو اتنی لمبی سوچ کی استعداد ہر ایک میں کہاں ہے۔ رسالت کی عطا کردہ شریعت کو تسلیم کر کے ایک زندہ و پائندہ اُمت سے وابستگی بہت بڑی نعمت سہی لیکن ایک چھوٹی سی ٹولی یا جتھے کے ساتھ ساز باز کر کے گزران کر لینا آسان بھی ہے اور فوری طور پر نفع بخش بھی۔ بلے سودے کی انتظار میں مہیا کمائی سے باز رہنا ہر ایک کے بس کی بات کہاں ہے۔

نیابت کے اصول پر اقتدار، اور امانت کے اصول پر دولت حاصل کرنے سے خلافتِ اسلامیہ کا دبدبہ ہمہمہ اور برکات ضرور حاصل ہو سکتی ہیں۔ لیکن علاقے کے غلط کار عناصر سے گٹھ جوڑ کر کے جو رُعب قائم ہو سکتا ہے، گراں فروشی، بلیک مارکیٹ، پرمٹ یا الاٹمنٹ سے جو اندوختے سمیٹے جا سکتے ہیں اور ہم نشینوں میں جو ناموری حاصل کی جا سکتی ہے وہ بدرجہا زیادہ دلکش اور نظر فریب ہے۔

یوں اسلام کی بلندی ہی اُسے پست فطرتوں سے بعید کر دیتی ہے۔ تخریبی اثرات اس رخنے کا یوں ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں کہ فوری اور ٹھوس لالچ دے کر اسلام کے طویل المیعاد اور لطیف روحانی منصوبوں کو درہم برہم کرنے کی سازشیں کرتے ہیں، مسلمانوں کو ورغلایا جاتا ہے کہ اگر تم نے آخرت کی فکر کی تو دُنیا میں محتاج اور مفلس ہو جاؤ گے۔ حلال کی جستجو میں زیادہ انتظار کی تو حرام کی لذتیں چکھنے سے پیچھے رہ جاؤ گے۔ اگر تم نے شریعت کا قانون نافذ کر دیا تو ساری قوم کے ہاتھ ذرا ذرا سی چوریوں کے بدلے کٹ جائیں گے۔ بھلا یہ بات کسی

جدید روشن خیال ذہن میں کیسے آسکتی ہے کہ کسی ایک شخص کے اعمال و عادات ہمیشہ کے لئے ساری دنیا کو ایک ہی ڈگر پر چلاتے رہیں چاہے وہ شخص پیغمبر ہی کیوں نہ ہو۔ اگر سُود کا لین دین بند کر دیا گیا تو پاکستان میں بنک کس طرح چلیں گے؟ جس ملک میں سُودی بنک نہ ہوں اس کے ساتھ کونسا مہذّب ملک تجارت کرے گا اور جس ملک پر مہذب دنیا کی تجارت بند ہو جائے اسے تباہی اور بربادی سے کون بچائے گا۔ اگر شریعت کو ملک کا اٹل قانون بنا دیا گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لمبی لمبی ڈاڑھیوں والے بھیانک مولوی حکومت کے تمام خوبصورت عہدوں اور معاشرے کے تمام نازک مناصب پر قابض ہو جائیں گے۔ مہذب بیگمات کو کم از کم عام شاہراہوں پر اپنی تنگ لباسی اور کشفِ ستر کی عادت ترک کر دینی پڑے گی۔ جنٹلمین لوگ تاش کھیلنے، گھوڑ دوڑ پر بازی لگانے اور نامحرموں سے گانا سننے کی اجازت سے محروم ہو جائیں گے کوئی شریف انسان نماز پڑھنے اور روزہ کی مصیبتیں برداشت کرنے سے نہ بچ سکے گا۔ اس حالت میں زندہ رہنے کا کونسا لطف باقی رہ جائے گا۔ اگر پیغمبرِ اسلام سے جُدا کسی نئے پیغمبر کی اُمّت کو مسلمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا اور اُن کو پاکستان کے اندر اپنی جداگانہ خلافت، جداگانہ عدالت، جداگانہ خزانہ، جُداگانہ نظم و نسق اور جُداگانہ پولیس قائم کرنے کی پاداش میں خلافِ قانون جماعت قرار دیا گیا تو ساری مہذب دنیا پاکستان کا حقہ پانی بند کر دے گی۔ نہ امریکہ سے گندم آئے گی نہ گھی ملے گا، نہ برطانیہ اپنے استعمال شُدہ بحری جہاز ہمارے پاس فروخت کریگا نہ بیرونی مالیاتی قرضے دیئے جائیں گے۔ حتیٰ کہ ہماری فوجوں کے لئے ملک سے باہر سامان حرب تیار ہونا بھی بند ہو جائے گا۔ دنیا کی وطن پرست حکومتیں سوچیں گی یہ پاکستانی عجب مسخرے ہیں جو پیغمبرؐ کے ماننے یا نہ ماننے پر لوگوں کو اپنی قومیت سے خارج کر دیتے ہیں۔ اگر پاکستانیوں نے قرآن و حدیث اور فقہ کو اپنے نصاب تعلیم میں شامل کر لیا تو قوم کی آئندہ نسلیں گانا بجانا اور ناچ کے بھاؤ بتانا جیسے اہم مضامین کی تربیت پانے کا وقت کب نکال سکیں گی۔ خدانخواستہ اگر قوم اپنے حُسن کی استعداد سے محروم ہوگئی تو کلچر اور آرٹ کی دنیا میں پاکستان کی ناک کٹ جائے گی۔

کسی صحیح الفطرت اور بالغ النظر انسان کو تو کفر کی جانب سے ترغیب و تحریص کی مذکورہ بالا مثالیں مضحکہ خیز نظر آئیں گی۔ لیکن جس معاشرے میں سَو سال سے دین کی تعلیم سلطنت مغلیہ کے وقت کے دینی نصاب کے ماتحت دی جاتی ہو، اور جدید علوم کا نصاب تعلیم ملکہ وکٹوریہ کے زمانے سے آگے ترقی نہ کر سکا ہو، وہاں بہت سی خام طبیعتیں، محروم حوصلے اور مسخ شدہ ولولے اگر اس دام فریب میں پھنس جائیں تو زیادہ تعجب نہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو مادی ترقی، جسمانی لذت، دنیاوی نفع اور شخصی ترجیح کے یہ تمام وعدے خود اپنے پست معیار کی سطح پر بھی دھوکے کی ٹٹی ہوتے ہیں۔ کوئی غیر اسلامی حکومت مسلمان ملکوں کو اس لئے مالی امداد نہیں دیتی کہ وہ سچ مچ فارغ البال ہو کر مغرب کی سرپرستی کی لعنت سے آزاد ہو جائیں۔ بلکہ روسی ہوں یا امریکی، برطانیہ ہو یا فرانس مقصد سب کا یہ ہے کہ جن ممالک میں آزادی کی تڑپ سیدھی انگلیوں نو آبادیاتی یا مقبوضاتی نظام قائم کر کے وہاں سے گھی نہیں نکالنے دیتی، اُن کی معیشت، مالیات، تجارت، نظم و نسق اور حکومت کی پالیسی کو امداد کے پیچ سے، معاہدات کے چکر میں پھنسا کر تعاون کے بیلنے میں اس طرح نچوڑا جائے کہ اوّل تو جس "پسماندہ" ملک کی امداد کرنی ہے اس سے درخواست کی جائے کہ آپ زراعت پر زیادہ توجہ فرمایئے ہم آپ کو کھاد بھیج دیا کریں گے۔ جہاں تک آپ کی صنعتی ضروریات کا تعلق ہے آپ کے حق میں یہی مناسب اور مفید معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی زرعی پیداوار خام مال کی شکل میں ہمیں بھیج دیا کریں اور ہم آپ کو جس حد تک قرینِ مصلحت سمجھیں مشینیں پہنچا دیں گے۔ یہ ظاہر ہے کہ مشینوں کے پرزے تو ہمارے ہاں سے ہی آئیں گے۔ اعلیٰ مستری بھی ہم سے ہی لے لیا کیجیے۔ ظاہر ہے کہ

آپ جو ردئی، پٹ سن اور خام چمڑہ ہمارے ہاں بھیجیں گے اُس کی وہ قیمت تو نہیں ہو سکتی جو ہماری صنعتی پیداوار کی ہوگی، ہمارے فرستادہ عملے کو آپ تنخواہ بھی زیادہ دیجئے گا کیونکہ آپ کا معیارِ زندگی پست ہے۔ علاوہ ازیں آپ کی جو رقوم ہمارے پاس باقی بچ جایا کریں۔ آپ اُن کی نقد ادائیگی لے کر کیا کریں گے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ سٹرلنگ بیلنس یا عالمی بنک میں امانت کے طور پر یہ رقم ہمارے ہی پاس رہنے دیجئے، اگر آپ کو کبھی ضرورت ہوئی تو ہم قرضہ دے کر مناسب سُود وصول کر لیں گے۔ بازیادہ سے زیادہ اگر ہمیں اپنے کسی حریف مثلاً روس یا چین سے بھارت جیسے کسی آپ کے دشمن کو ورغلانے کی حاجت ہوئی تو ہم آپ کے پس انداز کردہ سرمایہ میں سے اُسے مالی امداد دیا کریں گے، اس کا آپ بُرا نہ منائیگا کیونکہ شریف قومیں اپنے ہمسایہ سے اچھا سلوک تو کیا ہی کرتی ہیں۔ اور لڑنا جھگڑنا، خاص طور پر جنگ کرنا تو بہت ہی بری بات ہے۔ آپ جیسے نیک لوگوں کو یہ تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ہمارے کسی عالمگیر مفاد کی بنا پر اگر کوئی بڑی جنگ چھڑ گئی تو آپ جانتے ہیں کہ وہ بالکل دوسری بات ہے۔ کشمیر، نہری آب رسانی، سرحدوں پر معمولی جارحیت یا فلسطین جیسے کسی دُور افتادہ کی رقبے کی خاطر جنگ چھیڑنا اقوام متحدہ کے منشور کے خلاف ہے۔ ہاں کمیونزم کے ساتھ ہمیں جمہوری اقدار بچانے کی خاطر لڑنا پڑا تو یقیناً آپ مہذّب ممالک کی پیروی کی سعادت سے محروم رہنا ہرگز پسند نہیں کریں گے۔ لیکن اُس صورت میں بھی پروگرام یہی ہونا چاہیئے کہ آپ پختونستان وغیرہ جیسے حقیر مسائل میں اپنے افغان بھائیوں سے کوئی تلخی پیدا نہ کیجئے۔ اُس وقت کا انتظار کیجئے، جب سپاہی آپ کی آبادی سے بھرتی کئے جائیں گے اور سامانِ حرب ہم ازراہِ سخاوت مہیّا کر دیں گے۔ معاوضے میں جہاں تک ہو سکے آپ اپنی خام اجناس سستے داموں مہیّا کرتے رہنا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسی فوجوں کی اعلیٰ کمان ہمارے آزمودہ کار جرنیل نقشۂ جنگ اپنی مرضی کے مطابق قائم کرنے پر زیادہ توجہ دیں گے۔

اگر کوئی ملک زراعت کے دَور سے نکل کر نیم صنعتی مرحلہ میں داخل ہو چکا ہے تو وہاں امدادیہ شکل اختیار کرتی ہے کہ بنیادی صنعتیں قائم نہ ہونی پائیں۔ چنانچہ بائیس سال سے فولاد کے کارخانہ کی سکیم ہنوز روزِ اول کی منزل میں ہے۔

بین الاقوامی طور پر جو حقیقت "مہذّب ممالک" کی جانب سے "پسماندہ ممالک" کی مالی اور دفاعی امداد کی ہے ملک کے اندر وہی مثال مہذّب طبقات کی جانب سے "پسماندہ طبقات" کا "معیارِ زندگی بلند کرنے" کی کوششوں پر صادق آتی ہے۔ ملّت کی غمخواری میں ہلکان ہو کر موٹے ہونے والے رہنماؤں نے دور اُفتادہ دیہات کو تہذیب کی اِن نعمتوں سے بہرہ ور کر دیا ہے کہ آرائش و زیبائش کا گھٹیا سامان ہر جگہ دستیاب ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کوشش میں گندم، گھی، دودھ اور شکر کی وہ افراط جس سے ایک پُشت پہلے مفلس ترین شہری بہرہ ور تھے اب مستقل قحط کی صورت میں بدل چکی ہے۔ ہمارا دیہاتی اگر قلّتِ غذا سے تپ دق میں مبتلا ہو رہا ہے۔ تو کیا غم ہے جب اس کے گھر میں لپ سٹک حُسن کی زیبائش کو افزوں کر رہی ہے آخر کلچر اور معیارِ زندگی بلند کرنے کی کچھ نہ کچھ قیمت تو ادا کرنی ہی پڑتی ہے۔ اس کوشش میں معیارِ زندگی کم بھی ہو جائے تو عین سعادت ہے۔ سینما، ریڈیو یا گراموفون اب اُن لوگوں کو بھی میسّر آ سکتا ہے۔ جن کے دادا نے کبھی شہر کی صورت بھی نہ دیکھی تھی۔ اگر اس ترقی کے ساتھ ساتھ اُن کی چھاتی کی چوڑائی، اپنے دادا سے نصف ہو گئی ہے یا اُن کی کلائی کی جسامت گھٹ گئی ہے۔ یا اُن کے رخسار پچک گئے ہیں یا آنکھیں اندر دھنس گئی ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی غور کرنا چاہیئے کہ اب اُن کی ذہانت کتنی بڑھ گئی ہے۔ کیا اب بھی آپ کو شک ہے کہ انہوں نے ترقی نہیں کی ہے۔ بلاشبہ وہ اپنے "وحشی" دادا کے مقابلہ میں مہذّب انسان بن چکے ہیں۔

علی ہذا القیاس رواداری میں جو اضافہ ہوا ہے، اُسی نسبت سے کور ذوقی ترقی کر رہی ہے۔ انسان کی گھریلو زندگی جن مضبوط بنیادوں پر قائم تھی، "تفریح" اور "تفنن" کے نام پر ان کی چولیں ڈھیلی ہو رہی ہیں۔ حرّیت کا یہ عجب لغو تصوّر ہے کہ اولاد کو والدین کی نگرانی سے آزادی ہونی چاہیئے۔ بیوی کو شوہر کی نگرانی سے آزادی ہونی چاہیئے۔ اس کا لازمی عکس یہ ہے کہ والدین کو بھی اولاد کی تربیت کی ذمہ داری سے آزادی مل رہی ہے۔ اور شوہر، بیویوں کی کفالت کو ذمہ داری کے بجائے سودا بازی تصوّر کرنے لگے ہیں جو نادان اسلامی شریعت کی پابندیوں کے مقابلے میں لذّت، منفعت اور خودسری کی ترغیب کو ترجیح دیتے ہیں وہ بھول جاتے ہیں کہ تمام حقوق کی بنیاد کچھ فرائض پر قائم ہوتی ہے۔ تمام لذّتیں ضبط و تحمل سے اعلیٰ اور پائدار صورتیں اختیار کرتی ہیں۔ معاشرے کے اندر وہی منفعتیں بالآخر سُود مند ثابت ہوتی ہیں جو معاشرے کو خلفشار میں مبتلا کرکے منتشر نہ کردیں۔ افراد کی حرّیت اس وقت تک کوئی معنی رکھتی ہے۔ جب تک معاشرے کی بالادستی کو قائم رکھنے کی خاطر ہر فرد برضا و رغبت اپنی تمام آزادیوں کو کسی نظام کا پابند بنانے پر آمادہ ہو۔ جب حقوق فرائض کی حد سے تجاوز کرجاتے ہیں تو وہ ظلم بن کر نفسِ حقوق کو ملیامیٹ کردیتے ہیں۔ جب لذّتیں ضبط کی باگیں توڑ کر بگٹٹ دوڑنے لگتی ہیں تو اُن کی میعاد مختصر، نوعیت پست، اور افادیت زائل ہوجاتی ہے جب دولت خدمت گزاری کے بجائے مردم آزادی پر کمر باندھ لیتی ہے تو معاشرہ انتشار میں مبتلا ہوجاتا ہے اور دولت لٹ جاتی ہے۔ جب سرکشی میں یہ مبالغہ آجاتا ہے کہ جماعت کی بھی پابندی نہیں رہتی تو اس وقت کوئی غیر اجتماعی طاقت بڑھ کر اس کے گلے میں غلامی کا طوق اور پاؤں میں جبرِ بے چارگی کی زنجیر پہنا دیتی ہے۔ قیامِ پاکستان کے بنیادی مقاصد سے فرار کے یہ مضر نتائج ثابت کرتے ہیں کہ جن اغراض سے اس فرار کی رغبت دلائی جاتی ہے، وہ اغراض بھی اُن بنیادی مقاصد کی مخلصانہ تکمیل سے ہی بہتر طور پر حاصل کی جاسکتی ہے۔

عوام کی زبوں حالی

قیامِ پاکستان کے بنیادی مقاصد سے فرار نے سب سے بڑا نقصان یہ پہنچایا ہے کہ ملکی آبادی کی غالب اکثریت دورِ غلامی سے بھی بدتر زبوں حالی، مفلسی، محرومی، بیکاری، بیماری، بیچارگی اور پسماندگی میں مبتلا ہوگئی ہے امیر، امیر تر ہوتے جارہے ہیں اور اُن کو امارت کی تمیز بھولتی جارہی ہے۔ غریب غریب تر ہوتے جارہے ہیں اور اُن کو غربت میں آن قائم رکھنے کا سلیقہ بھی بھولتا جارہا ہے۔ جو آمدنیاں بڑھ گئی ہیں وہ انگلیوں پر گنی جاسکتی ہیں۔ باقی سب کی آمدنیاں گھٹ گئی ہیں۔ اشیاء کے نرخ اس تیزی سے چڑھ گئے ہیں کہ اب ان کا شمار بھی محال ہوتا جارہا ہے۔ ضروریات نایاب ہیں اور تعیّشات فراواں ہیں۔ مخرّب معاشرت، پیشوں کی کمائی بڑھ گئی اور وقار میں اضافہ ہوگیا ہے۔ لیکن جن محنت کشوں کی کارگزاری پر معاشرت کی ساری عمارت کھڑی ہے اُن کی بے قدری اور ارزانی ہو رہی ہے۔ کاشتکار، گوجر، جولاہے اور دوسرے ہاتھ سے کام کرنے والے کاریگر روٹیوں کے محتاج ہیں، لیکن ماڈرن بھانڈوں اور میراثیوں کو آرٹسٹ کا لقب دے کر ایسی آمدنیاں فراہم کردی گئی ہیں کہ اچھے خاصے رئیس بھی اُن کا لگا نہیں کھاسکتے۔ مسجد کا امام جو لوگوں کو آپس میں نہ جھگڑنے کا وعظ کہتا ہے۔ وہ جمعرات کی روٹیوں پر گزارا کرنے کے لئے مجبور ہے اور اس کا بھی اُسے طعنہ دیا جاتا ہے لیکن جو وکیل فریقین کے مقدمے کو زیادہ اُلجھا کر اُن کی متنازعہ فیہ جائداد سے زیادہ رقم وصول کرلیتا ہے اُسے معاشرے کا گلِ سرسبد سمجھا جاتا ہے۔

ہر علاقے اور ہر پیشے میں چند دراز دستوں نے اپنا تسلط جما رکھا ہے، باقیوں کو اُن کی خدمت گزاری پر مجبور کیا جاتا ہے۔ جو اطاعت نہ کرے اُس کی زندگی اجیرن بنا دی جاتی ہے۔ جس طرح ان بگڑے ہوئے افراد کی اپنی حیثیت معاشرے میں ایک رستے ہوئے پھوڑے

کی ہے۔ جو سوائے پیپ اور درد کے اور کوئی نتیجہ فراہم نہیں کر سکتا۔ اسی طرح یہ ظالم اپنے زیر دستوں کو بھی مجبور کرتے ہیں کہ وہ ہر مستقل عقیدے اور بہتر قدر سے دست بردار ہو کر ان کی خباثت کے مقابلے میں کوئی شرافت کی ایسی مثال پیش نہ کریں جس سے ان کے جھوٹے مجلسی وقار میں فرق آئے۔ عوام کی یہ زبوں حالی تبھی ختم ہو سکتی ہے۔ جب عوام کی خوشحالی کے منصوبے پاکستان کے اُن بنیادی مقاصد کی روشنی میں تیار کئے جائیں۔ جن کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے۔

نظم و نسق کا انحطاط

انسان نے حکومت اس لئے قائم کی تھی کہ وہ رعایا میں سے ہر فرد کی قوت اور دولت میں سے کچھ حصہ لے کر ہر باشندے کی بقیہ استطاعت اور املاک کی حفاظت کا انتظام کرے اور اُن کی ترقی اور تنظیم سے اُن کی اجتماعی بہتری کی سبیل نکالے۔ یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ بسا اوقات حکومت میں خرابی پیدا ہو کر خود حکومت ایک ایسی مصیبت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جس سے رعایا کی جان و مال اور آبرو کو محفوظ رکھنے کا الگ انتظام کرنا پڑتا ہے۔ اس شخص کی کیا حالت ہو گی جسے چھت پر چڑھنے کے لئے سیڑھی کی حاجت ہو اور پھر سیڑھی تیار کرنے کی خاطر چھت کی کڑیاں نکال کر خود چھت سے ہی دست بردار ہونا پڑے۔ اور اس سودے میں جو مشقت برداشت کرنی پڑے وہ اس پر مستزاد۔ آج دنیا کے جن خبیث انسانوں نے اپنی غلیظ ذہنیت کو "مہذب ممالک" کا نام دے رکھا ہے۔ وہاں کے باشندوں کی تین تین چار چار پشتیں اسی تردد میں دفن ہو گئی ہیں کہ حکومت کو بچانے کے لئے، یا اپنی حکومت کی مخالف حکومتوں کو مٹانے کے لئے ان نادانوں نے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ ہڈی پسلی تڑوا کر اپاہج بنے بیٹھے ہیں۔ آج دنیا میں جتنے اقتصادی بحران پیدا ہوتے ہیں اُن کی وجہ فقط یہ ہے کہ کبھی روس کی حکومت کے صنعتی منصوبے مکمل کرتے ہوئے وہاں کے قلاش عوام کا دیوالہ نکل جاتا ہے اور کئی کروڑ خود کاشت زمیندار تباہ اور فنا ہو جاتے ہیں۔ کبھی برطانیہ کی حکومت کا معیارِ زر قائم رکھنے کی کوشش میں عالمگیر اقتصادی بحران پیدا ہو جاتا ہے۔ کبھی امریکہ کی حکومت سرکاری خزانے سے ایک سو ساٹھ (۱۶۰) ایکڑ کی اوسط ملکیت رکھنے والے پالتو جاگیرداروں کو سرکاری خزانے سے وظیفے دے کر اتنی زیادہ گندم اور مکھن پیدا کر لیتی ہے کہ جب منڈی میں اس کے بھاؤ گرنے لگتے ہیں تو پہلے ٹھنڈے تہ خانوں میں اس کے ذخیرے دفن کئے جاتے ہیں۔ جب یہاں جگہ باقی نہیں رہتی تو پھر اُن کو ضائع کر دیا جاتا ہے۔ یا سمندر میں پھینک دیا جاتا ہے۔ کسی موجد نے اب یہ اختراع کی ہے کہ یہ سڑی گھسی وافر اجناس خوردنی "پسماندہ ممالک" کو بطور امداد عطا کر کے اُن کی خود مختاری اور وہاں کی عمدہ عمدہ خام اجناس پر ویسے ہی ہاتھ صاف کیا جائے۔ جیسے بدکردار تعلقہ دار اپنے علاقے کے "مساکین" کی دست گیری کر کے اُن کی عزت و آبرو ملیامیٹ کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔

حاکم اور محکوم میں مفاد کے اس عالمگیر تصادم نے پاکستان کو بھی اپنے اثرات سے محفوظ نہیں چھوڑا۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ابھی تک نظم و نسق ایک قائم بالذّات طاقت کی حیثیت سے باقی ہے۔ اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عمال ہونے کا منصب قبول نہیں وُہ خود حاکمیت کا دعوے دار ہے گو وہ بیرونی فاتح حکمران یہاں سے چلے گئے جنہوں نے یہ نظم و نسق اپنے آقایانہ مقاصد کی تکمیل کی خاطر کھڑا کیا تھا۔ لیکن یہ نظم و نسق ابھی تک اپنے آپ کو اُن کی عظمتِ رفتہ کا وارث اور جانشین تصور کرتا ہے۔ اسی برخود غلط روش کا نتیجہ ہے کہ رشوت، کنبہ پروری اور اقربا نوازی اس نظم و نسق کی مستقل خصائل بن چکی ہیں۔ ان تمام خرابیوں سے نجات حاصل کرنے کی صورت یہی ہے کہ پاکستان میں حکومت کا نظم و نسق قیام پاکستان کے بنیادی مقاصد کی روشنی میں از سرِ نو منظم کیا جائے۔

مرکزی پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کا تعطّل

حکومت کی تشکیل پر دو طریقہ سے غور کیا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ حکومت کن مقاصد اور کن اصولوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کام کرے۔ دوسرے یہ کہ خود حکومت کی ہیئت کیا ہو اور یہ ہیئت کس طرح سے وجود میں لائی جائے۔ پہلے مسئلہ پر ہم اوپر بحث کر چکے ہیں۔ جہاں تک دوسرے مسئلہ کا تعلق ہے پاکستان کا موجودہ نظامِ حکومت مغربی جمہوریتوں کے پارلیمنٹری نظام کی مثال پر وضع کیا گیا ہے۔ پارلیمنٹری نظامِ حکومت میں مرکزی محور کی حیثیت، دستور کی روح اور آئینی روایات کو حاصل ہوتی ہے۔ پارلیمنٹری دستور کی اکثر روایات برطانوی نظامِ حکومت سے ماخوذ ہیں۔ قریباً تین سو سال سے برطانیہ میں حکومت کا نظام تین ستونوں پر قائم ہے۔ ایک طرف[(۱)] وہ مستقل آئین اور قوانین ہیں جو کامن لا اور دستاویزی قوانین کی صورت میں مرتّب ہو چکے ہیں۔ دوسری طرف[(۲)] ملک میں دو بڑی سیاسی پارٹیاں ہوتی ہیں۔ جن کا نظام سارے ملک میں ہر گلی کوچے تک پھیلا ہوتا ہے۔ ایک پارٹی حکومت کرتی ہے۔ دوسری ہمیشہ متبادل وزارت بنانے پر آمادہ اور موقع ملنے کی منتظر رہتی ہے اس طرح برسرِ اقتدار پارٹی کو حزبِ اختلاف کی نگرانی اور نکتہ چینی کا اندیشہ رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی حزبِ اختلاف کو نکتہ چینی اور اعتراض کرنے میں یہ پابندی حدِ اعتدال سے آگے نہیں بڑھنے دیتی کہ اگر آج جوش میں آکر کوئی مبالغہ آمیز بات کہہ دی تو کل جب وزارت ہمارے قبضے میں ہوگی، اس وقت موجودہ وزارت حزبِ اختلاف بن کر ہماری تاک میں مخالف بنچوں پر بیٹھی ہوگی۔ تب یہی مبالغہ آمیزی ہمارے لئے بلائے جان بن جائے گی۔ تیسری جانب[(۳)] سلطانِ انگلستان، قدیم اُمراء کے خاندان، اعلیٰ درجے کے متعدد اخبارات اور کئی محبِّ وطن ادارے حکومت کے ہر شعبے پر غیر جانبدارانہ کڑی نگرانی رکھتے ہیں۔ دونوں پارٹیوں کو خدشہ رہتا ہے کہ اگر کوئی نازیبا یا ناجائز حرکت کی تو یہ غیر جانبدار عنصر اپنا وزن دوسرے پلڑے میں ڈال ہمارا اُبھر کس نکال دے گا۔

پاکستان میں جمہوری نظام کے یہ تینوں ستون ناپید ہیں۔ نہ تو یہاں نظم و نسق کے عمّال غیر جانبدار سلطان کے فرائض انجام دینے پر آمادہ ہیں۔ بلکہ وہ تو ہر وقت سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ ثابت کرنے پر تیار ہیں۔ بشرطیکہ اُن کی تنخواہ میں کچھ اضافہ کر دیا جائے۔ تبادلہ حسبِ منشا ہو جائے۔ ریٹائرڈ ہوتے پر ملازمت میں توسیع ہو جائے، تنخواہ کے علاوہ کچھ سفر خرچ اور ڈبل بھتہ مل جائے۔ بنگلہ بنانے کے لئے خزانہ سے قرضہ منظور ہو جائے۔ کچھ رشتہ داروں کو بھی ملازمت مل جائے۔ اخبارات اور صحافیوں کی حالت اس سے بھی بدتر ہے۔ خاندانی اُمراء انگریزوں نے تباہ کر دیئے اور دورِ غلامی میں جو نودولت رئیس بنے، انہوں نے فقط چڑھتے سورج کی پرستش کا سبق سیکھا ہے۔ جو کامیاب ہو جائے یہ اُس کے ساتھ ہیں اور جو ناکام ہو جائے یہ اس کی جان کے دشمن ہیں۔ سیاسی پارٹی ملک میں آج تک کوئی قائم ہی نہیں ہوئی۔ دوسرے پیشوں کی طرح سیاست بھی روزگار کمانے کا ایک پیشہ ہے۔ سیاسی پارٹیوں کی حیثیت رقیب ٹریڈ یونینوں جیسی ہے۔

ان سب عوامل کا مشترکہ نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پارلیمنٹری نظامِ حکومت کے پردے میں مصلحت پرست افراد ذاتی اقتدار کے لئے محلاتی سازشوں سے اقتدار پر قبضہ کرتے رہے اور اسی طریقہ سے اقتدار سے محروم ہوتے رہے۔ جمہوری نظامِ حکومت میں ساری ذمہ داری پارلیمنٹ یا اسمبلی پر ہوتی ہے۔ وزارت تو محض ایوان کی کارندہ ہے۔ جب مالک ہی کو معلوم نہیں کہ وہ کیا چاہتا ہے، کیوں چاہتا ہے؟ اور کس طرح سے چاہتا ہے؟ تو گماشتے پر کیا الزام رکھا جا سکتا ہے۔

"بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عام الیکشن ہر مرض کے لئے اکسیر ثابت ہوں گے۔ لیکن جیسے ملک میں کوئی منظم سیاسی پارٹی ہی نہیں، سیاسی کارکن متلاشیان روزگار سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے اور جماعت کے منشور کی حیثیت فقط یہ ہے کہ جو نعرے عوام میں مقبولیت حاصل کر لیں۔ انہیں دوسری سیاسی پارٹیوں کے منشور سے نکال کر اپنے منشور کی زیب و زینت بنا لیجئے۔ تو ظاہر ہے کہ خالی الیکشن کوئی ایسی جادو کی چھڑی نہیں جو اس روگ کا علاج کر سکے۔"

ان حالات میں اراکین پارلیمنٹ یا اراکین اسمبلی کی سودا بازی، بددیانتی اور نا اہلیت کا مبالغہ آمیز چرچا کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں کر سکتا اور نہ ہی الیکشن ان متعدد اور متضاد امراض کا اکسیری علاج ثابت ہو سکتے ہیں۔

اصل فوری کام یہ ہے کہ پاکستان جن بنیادی مقاصد کی خاطر بنایا گیا تھا، ان کی عام تلقین کر کے پہلے ملکی آبادی کے تمام طبقات کے اندر ایک ایسی منظم تحریک چلائی جائے جو تمام محبِ وطن پاکستانیوں کا ذہن صاف کر دے کہ موجودہ حالات میں ان بنیادی مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کسی ٹھوس لائحہ عمل کو اختیار کرنا چاہیئے۔ جب یہ کام ہو جائے گا تو ملک میں صحیح معنوں میں باقاعدہ سیاسی جماعتیں بھی منظم ہو سکیں گی۔ انتخابی منشور کی حیثیت لطافِ سخن سے بڑھ کر کوئی ٹھوس حیثیت اختیار کرے گی۔ وزارتوں کا تغیر و تبدل محلاتی سازشوں کے چکر سے نجات پائے گا۔ اور نظم و نسق کے عمال کے لئے بھی یہ مشکل ہو جائیگا کہ وہ اپنی منصبی ترقی کے لئے قیام پاکستان کی بنیادی غایت کو یوں آسانی سے ہر روز پائمال کرتے رہیں۔

حاصل کلام

عوام کی زبوں حالی، نظم و نسق کا انحطاط، غیر موثر اور ناہموار خارجہ پالیسی، مرکزی پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کا تعطل اور ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء سے سارے ملک میں دوبارہ مارشل لا اپنی جگہ پر اہم بنیادی مسائل ہیں اور ان کی جانب ساری قوم کو فوری توجہ مبذول کرنی لازمی ہے۔ مگر ان تمام مسائل کی جان بنائے پاکستان کا تحفظ ہے۔ اس وقت قیام پاکستان کی آئیڈیالوجی کو نسل، زبان اور علاقائی تعصبات کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ ون یونٹ کی سکیم فیل ہو چکی ہے بلکہ اپنے معماروں کے ہاتھوں اس کی تجہیز و تکفین کے سامان فراہم کئے جا رہے ہیں، آئینی مستقبل بالکل متزلزل غیر یقینی اور مخدوش ہے۔ آنے والے عمومی انتخابات میں کامیابی کی خاطر ابھی سے گٹھ جوڑ ہو رہے ہیں اور اس سیاسی اکھاڑ پچھاڑ میں اصول پرستی کی مٹی پلید ہو رہی ہے کہ ہر درد دل رکھنے والا پاکستانی بحد مضطرب اور پریشان ہے۔ اندریں حالات سب سے پہلے نظریۂ پاکستان کے تحفظ کو مقدم سمجھنا چاہیے

گذشتہ بارہ سال کے عرصہ میں مقاصد سے فرار کے ساتھ ساتھ تلبیس اور منافقت کے امراض بھی شامل ہو گئے ہیں "باطل حق پیرہن" تصورات اس عیاری اور فسوں کاری کے ساتھ پیش کئے جا رہے ہیں کہ علوم حاضرہ اور رسوخ دینی سے بے بہرہ مسلمان مغرب کی سائنس اور اشتراکی انقلاب کی جھوٹی چکا چوند سے مبہوت ہو کر اپنا آپ فراموش کر بیٹھا ہے۔ قیام پاکستان سے قبل نسل، قومیت، سلطنت، تہذیب، رنگ، زبان، علاقائیت سیاسی و معاشی مفادات حتیٰ کہ اپنے ذاتی مطالبات کو بھی نظر انداز کر کے ہر فرد ملت دامن اسلام پاکستان کے قیام کیلئے دیوانہ وار میدان میں آ چکا تھا۔ کتاب و سنت کی فرمانروائی (شریعت حقہ کی عملداری) کو مقصود حیات جان کر جداگانہ ملت، جداگانہ سیاسی تصورات، علیحدہ قانون، علیحدہ تہذیب و ثقافت، علیحدہ تمدن و معاشرت غرضیکہ زندگی اور آخرت کے تمام مسائل میں حضور خاتم النبیین والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور تعلیمات کو حتمی، قطعی اور آخری حجت قرار دے چکا تھا لیکن وائے برحال ما! کہ آج انہی مردود، مطرود اور منحوس نظریات کا پجاری بن کر نسل، زبان، معاشرت اور علاقائیت کی بنیاد پر ملی وحدت کو پارہ پارہ اور دینی اخوت کو ریزہ ریزہ کرنا چاہتا ہے۔ گاندھی نہرو، پٹیل اور ڈاکٹر اشرف کے پیش کردہ سیاسی و معاشی محرکات کو ایک بار زہر ہلاہل قرار دے کر اب انہیں شربت شفا سمجھ رہا ہے۔ ماؤزے تنگ اور مارکس کے عشق میں اس قدر وارفتہ ہوا ہے کہ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور تلقین ہدایت کو نعوذ باللہ فرسودہ اور بیکار خیال کرتا ہے فکر و تعقل سے اس قدر روگرداں ہوا ہے کہ اپنی تخلیقی و تسخیری صلاحیتوں کا اسے اعتبار ہی نہیں رہا

کیا خوب ارشاد فرمایا حکیم الامت ؒ ؎

افرنگ زخود بے خبرت کرد وگرنہ — اے بندۂ مومن تو بشیری تو نذیری ؟

باطل حق پیرہن

سیاسی ارتداد

اس گمراہی اور خود فراموشی کی نشان دہی کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام دشمن طاقتوں کی دلیشہ دوانیوں، وسیسہ کاریوں اور وسوسہ اندازیوں کی وجہ سے ملت اسلامیہ میں ایک خوفناک فتنہ" ارتداد پیدا ہو چکا ہے" اب کفر ایک اور لباس میں اسلام کے مقابلہ میں صف آرا ہے۔ اس دفعہ اس کا لباس مذہب کا نہیں بلکہ فلسفہ کا لباس ہے۔

مذہب باطل براہِ راست اور بلا واسطہ اسلام کے مقابلے پر آتا تھا۔ باطل فلسفہ براہ راست اور بلا واسطہ اسلام کے مقابلے پر نہیں بلکہ علم و عقل کے نام پر اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ وہ علمی استدلال کے بل بوتے پر انسان اور کائنات کی ایک ایسی تشریح کرتا ہے جس میں توحید، رسالت اور دین کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ باطل مذہب کے فریب میں جب ہم پھنستے ہیں تو بے علمی اور جہالت کو قبول کرتے ہیں لیکن اُسے علم کا نام دیتے ہیں اور بے عقلی اور نادانی اختیار کرتے ہیں لیکن اُسے عقل اور زیرکی تصور کرتے ہیں۔

اسلام کے اس نئے ہوشیار دشمن نے اپنے پرستاروں کو اجازت دے رکھی ہے کہ تم مذہب سے بیزار ہو کر خدا اور رسولؐ کے دشمن بن کر رہو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ تم پھر اسلام کے دائرہ میں رہو۔ چنانچہ اس دشمنِ دین و ایمان دباطل فلسفہ سے رشتہ جوڑنے والے آج نصف سے زیادہ مسلمان ایسے ہیں جو یا تو خدا کے منکر ہیں یا وحی کے، رسالت کے منکر ہیں یا حیات بعد الممات کے یا جزاء و سزا کے، یا ان سب کے۔

ارتداد کی صورتیں

(۱) ان مسلمانوں میں بعض ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اسلام اس زمانے میں ناقابل عمل ہے اور بعض کا خیال ہے کہ سارا مذہب ہی ڈھکوسلہ ہے۔ جو یا تو اقتصادی حالات کا نتیجہ ہوتا ہے یا دبی ہوئی جنسی خواہشات کا ردعمل (مارکس اور فرائڈ کے اتباع میں)

۲۔ کوئی اسلام کے معاشی نظام کو فرسودہ اور بیکار سمجھتا ہے۔

۳۔ کوئی جنسی تعلقات پر اسلام کی عائد کردہ پابندیوں کو فطری حیاتیاتی عمل کی ایک ناواجب مضر صحت اور خارج از وقت رکاوٹ سمجھ کر اس کا استخفاف کرتا ہے۔

۴۔ کوئی اسلامی عبادات کو بے معنی سمجھتا ہے، کوئی زکوٰۃ کو موقوف کرنا چاہتا ہے۔ کوئی حج کو، کوئی قربانی کو، کوئی نماز کو اور کوئی روزہ کو۔

۵۔ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو اسلام ہی کے نام پر اسلام کی اساسیات (FUNDAMENTALS) کا انکار کرتے ہیں اور اس کے بنیادی اصولوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ وہ اپنے غیر اسلامی تصورات کو اسلام کا نام دیتے ہیں اور اکثر انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ اسلام سے الگ ہو چکے ہیں بلکہ ایسی راہ اختیار کر چکے ہیں جو اسلام کے بالکل برعکس سمت کو جاتی ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ گویا

"اسلام اپنے دیس (دار الاسلام پاکستان) میں پردیسی ہے"

علاج

اس مصیبت عظمیٰ میں ملت کے تمام طبقات علماء، صوفیاء، زعماء، وکلاء، اساتذہ، طلبہ، سیاسی کارکنان اور دیندار محب وطن اور

حامی شرافت طبقات کا فرض ہے کہ الحاد، زندقہ، اعتزال، انحراف، خروج، اشتراکیت، ملوکیت، مادیت، نیچریت، اور دھریت کی کافرانہ یلغار کے مقابلہ میں حق و صداقت اور نور و عرفان کی بنیان مرصوص بن جائیں اور باطل عقائد کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیں۔ اپنوں اور بیگانوں کو واشگاف الفاظ میں بتادیں کہ تاریخ عالم میں بے مثل قربانیاں دینے کے بعد جو ملک ہم نے حاصل کیا ہے اس میں سفید و سرخ سامراج کے بجاریوں امریکہ پرستوں، روس پرستوں، چین پرستوں، یہود و ھنود پرستوں اور لادینیت ولاادریّت کے نقاب پوش منافقوں، حرام خور سرمایہ داروں، منافع خوروں، خون آشام کارخانہ داروں ظالم زمینداروں و جاگیرداروں اور بیوروکریسی (نوکر شاہی) کے فرعون مزاج خود ساختہ آقاؤں کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ ہم نے پاکستان کو "دارالاسلام" بنانے کے لئے مختص کیا تھا۔ قائداعظمؒ، قائد ملتؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، سردار عبدالرب نشترؒ حتیٰ کہ آل انڈیا مسلم لیگ لیجسلیٹرز کنونشن منعقدہ ۹ اپریل ۱۹۴۶ء بمقام عربک کالج ہال دہلی میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان اور آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ممبران ہزار ہا مندوبین (DELEGATES.) نے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ○"

(ترجمہ:۔ آپ فرما دیجئے کہ بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا، سب اللہ کے لئے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا، اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے یہی حکم ہوا ہے۔ اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں)

کا حلف نامہ پڑھ کر کے اسی عزم بالجزم کا اعلان کیا تھا۔ مولانا عبدالحمید صاحب بھاشانی اور ان کے ساتھ بنگال کے سینکڑوں دوسرے ارکان نے یہی عہد نامہ پڑھا تھا۔ آج راقم الحروف کے علاوہ متعدد اصحاب اس تاریخی حلف نامہ کے عینی شاہد بقید حیات موجود ہیں۔ ہم جیتے جی کسی شخص کو اجازت نہ دیں گے کہ وہ دولتِ خداداد پاکستان کو اپنے تخریب پسندانہ، وطن دشمن رجحانات کی آماجگاہ بنا کر ساری ملت کو کفر کے زہر سے ہلاک کردے۔

جبر و استبداد کا خاتمہ

ہم انسان پر انسان کے استبداد اور بیداد کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ماضی میں ملوکیت اور استبداد کا مظہر فرعون کہتا تھا کہ اپنی رعایا کا میں رب ہوں۔ اس لئے میرا حکم مانو۔ خدا کی عطا کردہ شریعت مت تسلیم کرو۔ تمہاری زندگی اور موت میرے ہاتھ میں ہے۔ سرمایہ دارانہ استحصال و استبداد کا مجسمہ قارون کہتا تھا میرا مال صرف میرا ہے۔ میں نے اپنے علم سے حاصل کیا ہے۔!! موسیٰ علیہ السلام کو خدا کے نام پر میرے مال پر پابندیاں عائد کرنے اور حاجتمندوں کے لئے خرچ کرنے کا کوئی حق نہیں۔ ریاکار مدعی اسلام یزید، امیرالمومنین کا مقدس لقب اختیار کر کے کہتا تھا کہ میرے برے اعمال پر اعتراض کرنے سے مسلمانوں کی سالمیت خطرے میں پڑ جائیگی!!! حسینؓ تقویٰ کا نام لے کر انتشار اور بغاوت پھیلانا چاہتا ہے

آج ان تمام برائیوں کا مظہر اتم اشتراکیت کا دجال کہتا ہے۔ میں تمہاری شکم کی شہوتوں کی تسکین کا سامان فراہم کروں گا۔

(دے دین آں پیغمبر حق ناشناس بر مساواتِ شکم دارد اساس۔)

حرام و حلال کی بحثیں ترک کر دو۔ دولت کے مزے اڑاؤ اور صرف مجھ کو اپنا حاکم، مالک اور رازق تسلیم کرلو۔

فرعونیت، قارونیت، یزیدیت اور دجالیت کے جبر و استبداد نے جمہوریت، قومیت، اشتراکیت، فسطائیت، پارلیمانیت

اور علاقائیت کے جو نقاب اوڑھ رکھے ہیں اور ان نقابوں کے نیچے قدر حریت اور شرف انسانیت کی جو مٹی پلید ہو رہی ہے ہم اس کے دجل و تلبیس کا پردہ چاک کر دیں گے۔ اور دنیا کو بتا دیں گے کہ ان تہ بہ تہ گمراہیوں اور متعفن خباثتوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے اسلام کے دامن سے وابستگی لازم و ناگزیر ہے۔ اسلام وہ طاقت ہے جو ان تمام لعنتوں، نحوستوں اور بیماریوں کے شر و فساد سے محفوظ رکھتا ہے اور ایمان، عرفان تقوی، طہارت اور اخوت، حریت اور مساوات کا سبق دے کر آخرت کی بھلائی کا رستہ ہموار کرتا ہے۔

مساوات محمدی

اسلام کی لائی ہوئی مساوات محمدی وہ قانونی دستاویز ہے جس کی رو سے ایک عام پاکستانی شہری صدر مملکت کی قمیض کا دامن پکڑ کر اسی طرح جواب طلبی کر سکتا ہے جس طرح حضرت فاروق اعظم رض کا کرتہ حصے کی چادر سے زیادہ طویل ہونے پر ہر شہری جواب طلب کر سکتا تھا۔ مساوات محمدی کے ذریعے ایک عام پاکستانی شہری کو یہ اختیار اور ضمانت مل جاتی ہے کہ جب کوئی بڑے سے بڑا حاکم اس کی حق تلفی کرے تو اس سے قصاص لینا اس سے زیادہ مشکل نہیں ہو سکتا جتنا کہ ایک مسلمان لشکری کے لئے خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے صفیں سیدھی کرتے وقت تیر کے کچوکے کا قصاص طلب کرنا آسان تھا۔ نیز ایک عام پاکستانی شہری کو اس نظام سے یہ اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ جمہوری فلاحی ریاست کے بیت المال سے کوئی بڑے سے بڑا آدمی اس سے زیادہ سہولتیں حاصل نہیں کر سکتا جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رض (خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا)، آپ کے داماد رض (حیدر کرار حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ) یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو عام مسلمانوں کے مقابلہ میں حاصل تھیں۔

اس وقت ہر چہار جانب سے اخوت، حریت اور مساوات کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ خاص طور پر اشتراکیت کے علمبردار غریبوں اور بیکسوں کی ہمدردی کا نعرہ بلند کر کے ہمرنگ زمین دام فریب بچھانا چاہتے ہیں۔ اسی طرح ملوکیت حریت اور جمہوریت کی آڑ میں گرتی ہوئی سامراجیت کو سہارا دینا چاہتی ہے۔ انسان پریشان ہے کہ اس ہاؤ ھو میں کدھر جائے اور کیا فیصلہ کرے۔ حقیقت یہ ہے یہ ہر دو نظام انسانیت کے لئے عذاب الیم ہیں اور بقول حضرت حکیم الامت رح چکی کے دو پاٹوں میں پس رہا ہے۔

زندگی ایں را خروج، آں را خراج — درمیان ایں دو سنگ آدم زجاج

اشتراکیت اور ملوکیت کی بابت اسلام کا نقطہ نگاہ مختصراً یوں ہے کہ :-

١- اشتراکیت پرستی اور سرمایہ پرستی دونوں اس لحاظ سے اسلام کی نگاہ میں مردود ہیں کہ وہ انسان کی اقتصادی ضروریات کو دیگر انسانی ضروریات سے اعلیٰ درجہ دیتی ہیں۔ اسلام کی رو سے انسان کی مادی ضروریات اس کے اخلاقی معتقدات کے ماتحت ہوتی ہیں۔

٢- سرمایہ پرستی (CAPITALISM.) اور اشتراکیت پرستی (COMMUNISM.) دونوں انتہا پسندی اور مبالغہ آمیزی کا شکار ہیں۔ ایک انسان کی معاشی سرگرمیوں پر کسی پابندی کی روا دار نہیں۔ دوسری سرے سے انسان کی ہر معاشی سرگرمی کو پابند کر دینا چاہتی ہے۔ اسلام فرد ہو یا اقتصادی طبقہ یا خود حکومت سب کی ناجائز سرگرمیوں پر پابندی لگا کر خاندان، معاشرہ اور اخلاق کی حفاظت کرتا ہے۔

٣- جہاں تک اشتراکیت، معاشی انصاف اور کسب حلال کے یکساں مواقع مہیا کرنے کی داعی ہے اسلام اس کا مخالف نہیں۔

۴ - جہاں تک سرمایہ داری، حقوق وراثت کو تسلیم کر کے صلہ رحمی کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے - اور انفرادی اختراع و کفایت کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ اسلام اس کا بھی مخالف نہیں بشرطیکہ دوسروں کے حقوق پر تجاوز نہ کیا جائے -

۵ - اسلام اقتصادی طبقات کے وجود کا مخالف نہیں بشرطیکہ امیر اور غریب کی تمیز طبعی ذہانت، ہنر مندی، محنت، تعلیم اور موقع کی مساوات پر مبنی ہو - اس کے ساتھ ساتھ اسلام صاحب استطاعت افراد کو مساکین و فقراء کے نان و نفقہ اور پرورش کا ذمہ دار گردانتا ہے -

بنابریں عصر حاضر کے فتنۂ اشتراک و ملوکیت سے نبرد آزما ہونے کے لئے اخوت، حریت اور مساوات کی وہ تفسیر، تعبیر اور عمل قبول کیا جائیگا جو خلافت محمدی کے تابع ہے۔ اس صورت میں اسلامی اصول کفالت عامّہ اور "الخلق عیال اللہ" کی اساس پر اتحاد و اخوت انسانیت کا پروگرام پیش کیا جائے گا۔ یہاں پر اس امر کا خاص خیال رکھنا ہوگا کہ تردید اشتراکیت کے غلو میں ملوکیت اور سرمایہ پرستی کی نادانستہ تائید کا احمقانہ پہلو نہ نکل آئے - روس میں عیسائیت کے مذہبی طبقات نے بھوک اور افلاس کا حل پیش کرنے کے بجائے زاریت اور جاگیرداری کی مدد کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب کو دنیا بھر میں بدنام کر دیا گیا - ملت کے تمام طبقات علماء، زعماء، وکلا - اساتذہ - طلبہ اور دیندار محبان وطن و حامیان شرافت طبقات کا فرض ہے کہ حضور خاتم النبیین والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنے لئے مینار نور بنا کر غریبوں، مسکینوں، بیکاروں، بیروزگاروں، بیماروں اور خانماں برباد حاجت مندوں کی دستگیری کریں اور ظالم سرمایہ داروں، جاگیرداروں، کارخانہ داروں بلکہ مخصوص مفادات کے حامل تمام طبقات کو سیدھا کر کے انہیں معیشت محمدی (Muhem medan Economy) کی نعمتوں سے مالا مال کریں - اجتماعی عدل و مساوات کا جھنڈا بلند کرکے استحصال، اکتناز، احتکار اور منافع خوری کا استیصال کر دیں - یہ تمام قباحتیں اس لئے پیدا ہوئی ہیں کہ ایک سو دو سال سے اسلامی شریعت کا نظام معطل ہے (سنہ ۱۸۶۸ء تک بر اعظم ہند و پاکستان میں قاضی کورٹس (شرعی عدالتیں) موجود تھیں) اور اس کے بجائے غیر شرعی نظام رائج ہے - اجتماعی طور پر نہ زکوٰۃ کا نظام نافذ ہوا اور نہ عشر و صدقات کا - اسی طرح سنہ ۱۹۴۸ء تک شرعی نظام وراثت بھی جاری نہ ہو سکا - اور قانون مناسخہ کی رو سے اس کو مؤثر بہ ماضی کیا جائے تو قومی دولت اڑھائی بار اور زرعی پیداوار دس بار حاجتمندوں میں تقسیم ہو جاتی ہے علی ھذا القیاس سارے ملک کی زمین تیسری پشت میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تقسیم ہو جاتی ہے اور بالآخر تمام زمینداریاں اور جاگیرداریاں ختم ہو جاتی ہیں - اسلامی شریعت کی روشنی میں اگر جلب و صرف دولت کے جائز وسائل قانونی طور پر متعین کر دیئے جائیں اور بلا لحاظ جائیداد اور دولت کے ہر شخص کو اس امر کا پابند بنا دیا جائے کہ وہ ایک خاص عدالت کے سامنے ثابت کرے کہ جس جائیداد اور مال پر قابض ہے وہ اس نے جائز ذرائع سے حاصل کی ہے اور جو جائیداد ناجائز ذرائع سے حاصل کی گئی ہو وہ بحق ملت ضبط کر کے مستحقین میں تقسیم کر دی جائے تو یہ تمام معاشی ناہمواریاں قلیل مدت میں ختم ہو سکتی ہیں -

حقیقت یہ ہے کہ یہ اعزاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ دنیا میں فرعونیت کے جبر و استبداد، قارونیت کے ظلم و استحصال اور یزیدیت کی تلبیس و منافقت کو ختم کر کے رضاکارانہ طور پر ایک خوشحال، باوقار اور خدا ترس معاشرہ قائم کر دیتا ہے - اور اقتصادی اختلافات پر ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کے بجائے روحانی، اخلاقی اور انسانی بنیادوں پر انسان اور انسان کے مابین امیر اور غریب کی تقسیم کے مقابلہ میں "مومن" اور "کافر" "نیکوکار" اور "سیاہ کار" اور "ظالم اور مظلوم" کی تقسیم گوارا کرتا ہے - اس اصول کی رو سے ہر خطا کار کا اس کے قصور کے مطابق مواخذہ ہوگا - نہ تو ظالم سرمایہ دار کو اسی کی دولت بچا سکتی ہے اور نہ ہی ایک غریب بدکار کو اس کی غربت چھڑا سکتی ہے -

ہم حکومت میں نیابت (Agency & Viceroyalty in sovereignty) اور دولت میں امانت (Trusteeship in wealth) کے اصول پر خلافت علیٰ منہاج نبوت (The Caliphate on pattern of prophethood -) قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں کوئی فرد، طبقہ، جماعت یا خود حکومت نہ تو مالک مطلق بن سکتی ہے اور نہ ہی حاکم مطلق (Absolute proprietor and absolute Ruler) ۔ تمام انسان اللہ کی مخلوق ہیں اور کسی کو دوسرے پر کوئی برتری حاصل نہیں بجز دین و تقویٰ کے جو اس نظام کو کائنات ارضی میں برپا کرنے کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں ان کے فرائض اور ذمہ داریاں دوسروں کے مقابلے پر بڑھ جاتی ہیں۔ اس نظامِ الٰہی پر ایمان لانے والوں کو ہر وقت رضائے الٰہی کی طلب رہتی ہے۔ انہیں یک لحظہ غفلت اور تساہل کی اجازت نہیں۔ ان کا مرنا، اُن کا جینا، اِن کی نماز اور اُن کی قربانی تمام مالک الملک کے لئے ہوتی ہے۔ وہ اپنی تمام تر توانائیاں اس کرۂ ارض پر خادم خلق و انسانیت معاشرہ قائم کرنے پر صرف کر دیتے ہیں۔

افسوس ہے اسلام کا مقدمہ محض صحیح وکالت نہ ہونے کے باعث اپنی حقیقی قوت کے ساتھ نوعِ انسانی کے سامنے نہیں آسکا ورنہ سرخ اور سفید سامراج کے ہر دو طاغوتانِ کہن مردِ مومن کی ضربتِ غازیانہ سے پاش پاش ہو جاتے اور روئے زمین پر خلافتِ محمدی کے سوا کوئی دوسرا نظام جڑ نہ پکڑ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ وسطیٰ کو آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر قرار دیا ہے۔ اس اُمّت کو صرف اُخوتِ بشریٰ مساداتِ محمدی اور خلافتِ شرعی کے قیام کیلئے کام کرنا چاہیئے اور مثبت انداز میں اس فریضہ سے عہدہ برا ہونا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر تبلیغ و اشاعتِ دین کا کام حکمتِ ربانی اور موعظتِ حسنہ سے کیا گیا تو مشرق و مغرب کی تمام قوتیں اور شمال و جنوب کے تمام سیاسی ارادے آپ کے قدموں میں ہوں گے۔

پاکستان میں سیاسی اور دینی جماعتوں کی جانب سے ان مسائل کا حل

اس وقت پاکستان میں کم از کم دس دینی اور پندرہ سیاسی جماعتوں نے ملک کے آئینی، تنظیمی، معاشرتی اور معاشی مسائل کا حل پیش کرتے ہوئے اپنے منشور شائع کئے ہیں۔ جہاں تک غریبوں اور محروموں کے ساتھ انصاف اور ان کی دستگیری کا تعلق ہے۔ ملک کی تمام جماعتیں اصول کفالتِ عامہ کو قبول کر چکی ہیں۔ اور اس نقطۂ نگاہ سے پاکستان پیپلز پارٹی اور نیشنل عوامی پارٹی جیسی بائیں بازو کی جماعتوں اور جماعت اسلامی اور پاکستان جمہوری پارٹی کے منشوروں میں بظاہر کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا اور ہر ایک پارٹی آئندہ الیکشن کے لئے عوام کو اپنی جانب متوجّہ کرنے میں اس حد تک تعصّب اختیار کر چکی ہے کہ خلقِ خدا کے خیر خواہ ان کی خیر خواہی کے زعم میں ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان نظر آتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ باہم آویزی نتیجہ ہے اس اجنبی اور مبہم تصور کا جو ان جماعتوں کے راہنما اصولوں میں موجود ہے۔

اس وقت ملک کی تمام جماعتیں قرآن و سنت کے مطابق عدل و انصاف مساوات، آزادی، عالمی اخوت اور انسانی احترام کے اصولوں اور اسلامی اقدار کی بنیاد پر ایک جمہوری معاشرہ قائم کرنے کی داعی ہیں مثلاً

(۱) جماعت اسلامی کے منشور کے مطابق "دنیا کے حقیقی بگاڑ کا سبب خدا اور آخرت سے بے نیازی اور رسالت کی رہنمائی سے روگردانی ہے۔

اور کوئی اصلاح اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ کہ خدا کی اطاعت۔ آخرت کی جواب دہی کے احساس۔ اور رسالت کی رہنمائی کو نظام زندگی کی بنیاد بنایا جائے۔" اسی غرض کے لئے جماعت اسلامی پرامن آئینی اور جمہوری طریقوں سے نظام حکومت کو بدلنا چاہتی ہے۔ اس کے پیش نظر پاکستان کو ایک ایسی ریاست بنانا ہے جو قرآن وسنت کے اتباع کی پابند اور خلافت راشدہ کے نمونہ کی پیرو ہو۔ جس میں اسلام کے اصول واحکام پوری طرح کارفرما ہوں۔

ب :۔ جمعیت العلمائے اسلام کے منشور میں قرآن وسنت کے عنوان کے تحت صفحہ ۴ پر درج ہے کہ

۱۔ صرف قرآن وسنت کے احکام ہی ملک کے اساسی قوانین قرار پائیں گے۔"

۲۔ ملک کے دستور اور قانون میں اسلام کے کامل ومکمل دین ہونے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا دستوری اور قانونی تحفظ کیا جائے گا۔

۳۔ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ادوار حکومت وآثار کو اسلامی نظام حکومت کے جزئیات متعین کرنے کے لئے معیار قرار دیا جائے گا۔

۴۔ صدر مملکت کا مسلمان ہونا اور پاکستان کی ۹۸ فیصد مسلمان اکثریت اہلسنت کا ہم مسلک ہونا ضروری ہوگا اور مسلمان کی قانونی تعریف یہ ہوگی کہ وہ" قرآن وحدیث پر ایمان رکھتے ہوئے ان کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین واسلاف رحمہم اللہ اجمعین کی تشریحات کی روشنی میں حجت سمجھے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نہ کسی نبوت کا اور نہ کسی شریعت کا قائل ہو (صفحہ ۱۳۔ ۱۴)

جنوری ۱۹۵۱ء میں ہر مکتبہ فکر کے ۳۱ علمائے کرام نے کراچی کے ایک تاریخی نمائندہ اجتماع میں ۲۲ نکات پر مشتمل جو دستوری سفارشات پیش کی تھیں۔ اُن کے نکتہ اوّل ودوم میں درج ہے۔ کہ" اصل حاکم تشریعی وتکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے اور ملک کا قانون کتاب وسنت ومبنی ہوگا۔ اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جاسکے گا۔ اور نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جاسکے گا۔ جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔

ج ۔ جمعیت العلمائے پاکستان (صاحبزادہ فیض الحسن گروپ) کے منشور میں "نظام حکومت" کے عنوان سے درج ہے۔ کہ" نظام حکومت اسلامی جمہوریہ پاکستان ہوگا۔ اس کے دستور وضوابط کی بنیاد کتاب وسنت پر ہوگی۔ تعزیرات وحدود کا نظام شرعی نافذ کیا جائے گا۔ سربراہ مملکت کا صحیح العقیدہ مسلمان ہونا ضروری ہوگا۔ ملک میں کوئی بھی قانون کتاب وسنت کے خلاف رائج نہ ہوسکے گا۔ اسلام کے بنیادی اصولوں اور اقدار کے خلاف کسی بھی نظریہ اور تحریک کو فروغ پانے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں کیپٹلزم (سرمایہ داری)، کمیونزم (اشتراکیت) جیسے ازموں پر انفاعی پابندی لگائی جائے گی (روزنامہ سعادت لائلپور، لاہور مورخہ ۷ جنوری ۱۹۷۰ء صفحہ اول)

د ۔ مرکزی جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کے انتخابی منشور میں "نظام حکومت" کے ذیلی عنوان کے ماتحت درج ہے کہ" جمعیت اہلحدیث کتاب وسنت پر مبنی معاشرہ کی تکمیل کے لئے ایسے نظام حکومت کی حمایت کرتی ہے۔ جس میں حاکمیت اعلیٰ خدا اور برتری اس کے قانون کو حاصل ہو۔ اس مقصد کے لئے مندرجہ ذیل تدابیر اختیار کی جائیں گی۔

۱۔ قرارداد مقاصد اور علماء کے پیش کردہ متفقہ ۲۲ نکات کو ملکی آئین کی بنیاد بنایا جائے گا اور مملکت اسلامی طرز حیات کو عملاً رائج اور

نافذ کرنے کو اپنا مقصد قرار دے گی۔

۲۔ ملکی قوانین کتاب وسنت کی بنیاد پر وضع کیے جائیں گے۔ جملہ مروجہ قوانین جو کتاب وسنت کے مخالف اور منافی ہیں منسوخ کیے جائینگے۔

۳۔ مستند علماء و ممتاز ماہرین قانون اور ججوں پر مشتمل ایک سپریم لیگل کونسل قائم کی جائے گی۔ جو اس امر کا فیصلہ کرے کہ کونسا قانون کتاب و سنت کے خلاف ہے (ہفت روزہ اہلحدیث مورخہ ۲۳ جنوری ۱۹۷۰ء صفحہ ۵)

علی ھذاالقیاس دیگر دینی جماعتوں کے آئین اور منشور میں کتاب وسنت کی فرماں روائی کو نقطہ جامعہ قرار دیا گیا ہے۔ اور تمام مسالک اور مکاتیب فکر کے علماء نے کتاب وسنت کو آئین کی اساس حجت تسلیم کیا ہے۔

سیاسی جماعتیں

ھ :۔ کونسل مسلم لیگ کے منشور کے مطابق پاکستان میں آئین اور قوانین کی اساس کتاب وسنت قرار پائے گی۔

کنونشن مسلم لیگ اور قائد اعظم مسلم لیگ نے بھی اسی موقف کا اعادہ کیا ہے۔

و :۔ "پاکستان جمہوری پارٹی" نے اپنے منشور کے صفحہ ۲ پر تمہید میں قرار دیا کہ "قرآن وسنت کے مطابق عدل وانصاف مساوات۔ آزادی عالمی اخوت اور انسانی احترام کے اصولوں اور اسلامی اقدار کی بنیاد پر ایک جمہوری معاشرہ قائم کرنے کے لیے جد وجہد کریں گے"

ز :۔ نیشنل عوامی پارٹی (ولی خاں اور بھاشانی گروپ) بھی کتاب وسنت کی روشنی میں آئین وقوانین مدوّن کرنے کے داعی ہیں۔

ح :۔ عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمان نے بھی ڈھاکہ کے ایک اجتماع عظیم میں علی الاعلان کتاب وسنّت کی فرمانروائی کو تسلیم کیا ہے۔

ط :۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے صدر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ابتداً اسلام کو دین۔ سوشلزم کو معیشت اور جمہوریت کو سیاست قرار دیا۔ دین۔ سیاست اور معیشت کی تثلیث پر جب اعتراضات وارد ہوئے۔ تو انہوں نے اسلامک سوشلزم کو مساوات اسلامی اور مساوات محمدی کے ہم معنی قرار دیا۔ جب اس پر بھی مزید وضاحت طلب کی گئی۔ تو انہوں نے مختلف پبلک جلسوں میں اقرار کیا۔ کہ میں اس ملک میں اسلام کو نافذ کرنا چاہتا ہوں۔ اور اسلام کی خاطر جان تک قربان کر دوں گا۔

اسی طرح دیگر سیاسی جماعتوں نے بھی اسلام کو اپنا اوڑھنا بچھونا قرار دیا ہے۔

گویا ملک کی کم وبیش دس دینی اور پندرہ سیاسی جمہوری جماعتوں نے کتاب وسنت کی فرماں روائی کو غیر مشروط صورت میں قبول کیا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب ملک کی تمام مذہبی اور سیاسی جماعتیں کتاب وسنّت کی فرماں روائی کو نظریاتی طور پر تسلیم کر چکی ہیں۔ تو پھر یہ سر پھٹول کیوں اور باہمی تصادم کیسے؟ یہ کیوں ایک دوسرے کی بات امن اور اطمینان سے نہیں سنتیں؟ اور اپنے موقف کو مثبت انداز میں پیش کرنے کے بجائے طعن وتشنیع اور تعریض وتذلیل کا انداز کیوں اختیار کر رکھا ہے؟ ہر جماعت اپنے آپ کو ملک وملّت کی اجارہ دار کیوں سمجھتی ہے؟

جواب یہ ہے۔ کہ تحریک پاکستان کی ابتدا میں نعرہ بازی اور بیان بازی کی جو مہم چلی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد وہ آج تک جاری ہے۔ سنگین حقائق سے اغماض برتا جا رہا ہے۔ اور اسلامی اقدار حیات کے مطابق تشکیل معاشرہ کی ذمہ داریوں سے ہم عہدہ برآ نہیں ہو سکے۔ اس کا نتیجہ یہ

نکلا ہے کہ اسلامی معاشرہ کا قیام تو بجائے خود رہا۔ نظریہ پاکستان بھی محل نظر بن گیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ قائداعظمؒ نے ایک اللہ۔ ایک رسولؐ ایک کتاب اور ایک جماعت کا جو نعرہ دیا تھا۔ اور اسلامی شریعت کے قیام کا جو اعلان کیا تھا۔ اس کی تعمیل میں تمام طبقات ملت فرد واحد کی طرح مصروف عمل ہو جاتے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ قائداعظمؒ جیسی محبوب اور معتمد علیہ شخصیت کے ارشادات، عقائد اور نظریات کو بھی نزاعی بنا دیا گیا۔ بائیس سال گزرنے کے بعد بھی ہم اسی مقام پر کھڑے ہیں۔ جہاں سے چلے تھے بلکہ اس سے بھی فروتر مقام پر کھڑے ہیں۔ اس عرصہ میں حکومت اور حکومت کے تمام اداروں نے ہر شے کی ترویج و اشاعت کی سوائے اسلام کے۔ نشر و اشاعت کے تمام وسائل اور ذرائع کا مرکزی نقطہ یہ رہا۔ کہ اسلام کے مقابلہ میں وطنیت کو حریف بنا کر کھڑا کر دیا جائے۔ اور اسلامی اصول معاشرت۔ اخلاق۔ حیا۔ وفا اور تقوٰی و طہارت کے تمام آثار کو اس چابک دستی کے ساتھ مٹایا گیا۔ کہ آج جب ہم اسلامی معاشیات اور اسلامی سیاسیات کی بات کرتے ہیں، تو معترض فوراً کہہ اٹھتا ہے کہ ان کا وجود ہے کہاں؟ ماضی کی داستان پارینہ کو بار بار دہرانے سے قومی مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ یہ اعتراض کسی حد بجا ہے اور با دلِ نخواستہ حکیم الامتؒ ہمنوا ہو کر کہنا پڑتا ہے۔ کہ ؎

ہے مملکت پاک میں اک طرفہ تماشا

اسلام ہے محبوس۔ مسلمان ہے آزاد

کاش ۲۲ سالہ دور انتشار میں کچھ وقت ہم نے اسلامی نظریۂ اقتصاد کو حقیقت بنانے پر صرف کیا ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی کتاب میں سے ایک سطر بھی عملاً نافذ کر دیتے۔ تو آج اشتراکیت۔ اور ملوکیت مشرف بہ اسلام لا کر ہمیں امام النّاس تسلیم کر لیتیں اور اپنے غیروں کی دریوزہ گری کے بجائے تلّی مرکز ثقل سے بدستور وابستہ رہتے۔ میری مراد حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس ارشاد سے ہے کہ "مسلمان تیرے لئے کھانا حرام ہے درآنحالیکہ تیرا پڑوسی بھوکا سو جائے"۔ اسی طرح حقوق العباد کے دوسرے ارشادات اپنی جگہ کم اہم نہیں ہیں۔ اب مبہم اور جذباتی باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ کتاب و سنت کی واضح تشریح کرنی ہوگی ورنہ اسلام کی اسلام سے ٹکر اور جمہوریت کا جمہوریت سے معرکہ اک مصیبت عظمٰی کی طرح ہم سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ ہم نے اسی خطرہ کے پیش نظر ۲۲ دسمبر ۱۹۶۲ء کو خواجہ ناظم الدین مرحوم صدر آل پاکستان مسلم لیگ اور سردار بہادر خاں سابق جنرل سیکرٹری آل پاکستان مسلم لیگ کو ایک خط کے ذریعے کتاب و سنت کے مفہوم کو متعین کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اور ان کے سامنے اس خطرہ کی نشان دہی کی تھی۔ اس طویل خط سے متعلقہ اقتباسات درج ذیل ہیں۔

"کامیابی کی شرط اوّل یہی ہے۔ کہ اہل پاکستان کو صدق دل سے یقین ہو جائے کہ مسلم لیگ اسلام کے نام پر برسر اقتدار آ کر پھر مسلم و غیر مسلم کی تفریق میں مداہنت نہ دکھائے گی۔ اگر یہ نہ ہوا۔ تو جمہوریت اور اسلام سے مسلم لیگ کی وفاداری کے متعلق شکوک باقی رہیں گے۔ پاکستان اور مسلم لیگ کے مخلص اور قدیم خادم لڑتے ہی رہیں گے اور اہل غرض اسلام سے جمہوریت کو لڑا کر دونوں کو باری باری نقصان پہنچاتے رہیں گے ..... ؛ پاکستان مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی اپنی شاخوں کو رکنیت سازی کی مہم کی ہدایت جاری کرتے ہوئے وضاحت کر دے۔ کہ رکنیت سازی کے فارم پر عبارت یہ ہونی چاہیئے۔

"کہ میں ...... ابن .... سکنہ .... صدق دل سے اقرار اور اعلان کرتا ہوں کہ میں زندگی اور آخرت کے ہر پہلو اور ہر قسم کے مسائل میں حضور خاتم النبیین والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو حتمی۔ قطعی اور آخری حجت تسلیم کرتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے متعلق ہر اختلاف میں سلف صالحین کے اجماع کو قبول کرتا ہوں۔ اور سلف صالحین کے اعتقاد اور مسلک کی بابت ہر مسئلہ میں اجماع امت اور فقہائے ملت کے اجماعی فیصلہ کی غیر مشروط اطاعت کرتا ہوں"۔

اسی طرح مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کو بھی اس معاملہ کی اہمیت اور نزاکت کی جانب بدیں الفاظ متوجہ کیا تھا۔

"فوق الاحزاب۔ فوق آلائین۔ بلکہ فوق المملکت اور فوق الوطنیت اقدار داصول پاکستان میں اسلام ہی مہیا کر سکتا ہے۔ مطالبۂ پاکستان اور دو قوم کے نظریہ کی اساس بھی اسلام ہی تھا۔ نیز آئندہ پاکستان میں املاک و دولت۔ اقتدار و عدل۔ حق و باطل۔ خوشحالی و کامیابی اور علم و تعلیم کے قومی تصورات بھی فقط اسلام سے ہی اخذ ہو سکتے ہیں ــ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ اسلام آج تک پاکستان میں اساسی منشور اور آئین کی رسمی حیثیت حاصل نہیں کر سکا؟ ۱۹۴۹ء کی قرارداد مقاصد میں یہ اعلان قطعی الفاظ سے شامل نہ تھا۔ ۱۹۵۴ء کے مسودہ آئین سے یہ مسئلہ تسلی بخش طور پر طے نہیں ہوا۔ ۱۹۵۶ء کا آئین بھی یہ منشار پوری نہ کر سکا اور ۱۹۶۲ء کے آئین سے بھی یہ کمی پوری نہ ہوئی۔ اس کوتاہی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ قرآن و سنت کو پاکستان میں اساسی حجت تسلیم کر لینے کے باوجود فقہ کو اساسی حجت میں شامل نہ کیا گیا اس طرح نص کو تفسیر بالرائے سے مسخ کرنے اور تحریف مطالب کے راستے کھل گئے"۔

علاوہ ازیں تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے قائدین نے آج تک مطلقاً اس امر کی نشان دہی نہیں کی۔ کہ اسلامی نظریہ سیاست کو کس نام سے یاد کیا جائے۔ اسلامی جمہوریت۔ اشتراکی جمہوریت۔ اسلامی مساوات۔ صدارتی نظام حکومت پارلیمانی نظام حکومت اور نہ جانے اور کیا کیا نام رکھ لئے ہیں۔ لیکن اسلامی نظام حکومت و سیاست کا جو نام آیۂ استخلاف کے ذریعہ اللہ نے رکھا تھا۔ اور جس ربانی امانت اور نیابت کی خلافت الٰہیہ کا نقشہ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جزیرۃ العرب میں قائم کیا تھا۔ اور بعد ازاں خلافت محمدیؐ کی امانت کو جیسے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبھایا اور پھر خلافت راشدہ۔ خلافت بنو امیہ۔ خلافت بنو عباس۔ خلافت بنو فاطمہ اور آخر میں خلافت عثمانیہ کے ذریعے بہ حیثیت ایک اجماع ماضیہ کے ترجمان کے ۱۹۲۴ء تک اسلامی اعتقاد کے جواز کا تسلسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور پھر اللہ سے اخذ کرنے میں ایک سبقت والی کڑی کا رتبہ رکھتا تھا۔ ان حضرات کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ ستم بالائے ستم یہ ہے۔ کہ خود برصغیر ہند و پاکستان کی ملت اسلامیہ نے جس تصور خلافت کی خاطر ہجرت۔ قید و بند۔ اور دار و رسن تک کی شرائط جہاد پوری کر دی تھیں۔ وہ آج ہمارے لئے شجر ممنوعہ بن چکا ہے۔ دشمن کے پروپیگنڈے کی اس سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہو سکتی ہے۔ کہ خود مسلمان محروم یقین ہے اور خلافت کے تصور کو اپنانے سے بدکتا ہے۔ ہم اللہ کی رحمتوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بخشی ہوئی سعادتوں کے صدقے بطور تحدیث نعمت اعلان کرتے ہیں۔ کہ زمانہ طالب علمی سے لے کر آج تک ہم نے اس تصور کو اپنائے رکھا۔ ۱۹۳۷ء میں "انٹر کالجیٹ کا غیر مسلم براور ہڈ" کے ذریعے ہماری تحریک کے قائدین نے خلافت پاکستان کا نقشہ شائع کیا۔ ۱۹۳۹ء میں اسے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا نصب العین قرار دیا گیا اور اس کے حصول کے لئے

ایک جامع سکیم بعنوانِ خلافت پاکستان سکیم آل انڈیا مسلم لیگ کانسٹی ٹیوشن کمیٹی کے سامنے پیش کی۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں پہلی بار خلافت پاکستان کانفرنس منعقد کی۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں ہماری تحریک کے قائد نے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل میں شریعت اسلامی کے نفاذ کی قرارداد پیش کی۔ سنہ ۱۹۴۵ء میں تحریک خلافت پاکستان کی جانب سے ایک اہم کتاب بعنوان "پاکستان کیا ہے" شائع کی گئی۔ جو مہتم بالشان انقلابی پروگرام کی حامل تھی۔ اس کتاب میں حصولِ پاکستان کے لیے جامع لائحہ عمل دیا گیا تھا اور آئین پاکستان کے نمایاں خدوخال بیان کیے گئے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد آل پاکستان مسلم لیگ کے اندر نکات عشرہ پر مشتمل اغراض ومقاصد تسلیم کرانے کی خاطر "مسلم لیگ خلافت پاکستان گروپ" کا منشور پیش کیا اور ۱۹۴۸ء میں ہفتہ وار اخبار "خلافت پاکستان" جاری کیا۔ سنہ ۱۹۵۲ء میں پاکستان کے لیے ایک مفصل اور جامع آئینی خاکہ بعنوان آئین خلافت پاکستان پیش کیا۔ اسی آئین کو منوانے کی خاطر "تحریک تحفظ ختم نبوت" میں ہماری تحریک کے داعی نے دار ورسن کا راستہ طے کرنے کے لیے سزائے موت حسنی۔

اللہ کے فضل وکرم سے سزائے موت عمر قید میں بدل گئی۔ پھر عدالت عالیہ نے اسے بھی کالعدم کر دیا۔ تحریک خلافت پاکستان کے بانی حضرت مولانا محمد ابراہیم علی صاحب چشتی مرحوم ومغفور اور معتمد ارکان خلافت پاکستان میاں محمد شفیع صاحب اور حکیم محمد انور بابری صاحب بھی تحریک تحفظ ختم نبوت میں گرفتار ہوئے۔ سنہ ۱۹۵۵ء میں جیل سے باہر آنے کے بعد داعیِ تحریک خلافت پاکستان نے حکومت وقت کے جبر وتشدد کو چیلنج کرتے ہوئے غلغلہ حق بلند کیا جس کی پاداش میں انہیں بنگال ریگولیشن کا نشانہ بنایا گیا۔ ۱۹۵۸ء میں پنجاب یونیورسٹی نے بین الاقوامی اسلامک کالوکیم منعقد کیا۔ تحریک خلافت پاکستان کے داعی اور دیگر ارکان نے اس اہم کانفرنس کے موقع پر عقیدۂ ختم نبوت کے منکروں کو اسلام کی وکالت سے روک دیا اور غیر مسلم مستشرقین کو اصول ومسلمات دین پر تنقید کی اجازت نہ دی تمام مکاتیب فکر کے علماء نے اس معاملہ میں تائید کی۔

جولائی سنہ ۱۹۵۷ء میں تحریک خلافت پاکستان کے داعی نے ملک میں ذہنی انتشار اور فکری افلاس کو ختم کرنے اور تحفظ واستحکام پاکستان کے لئے منظم تحریک چلانے کا مشورہ دیا اور ایک جامع وہمہ گیر لائحہ عمل اپنے پمفلٹ بعنوان "پاکستان کو بچانے کے لیے ایک تحریک کی ضرورت" شائع کیا۔ ۱۹۵۹ء کے دوسرے مارشل لا میں جب سارا ملک سنسان قبرستان تھا۔ تو لاہور میں ۲۲ پبلک جلسے منعقد کر کے خلافت محمدیؐ کے قیام کی اہمیت واضح کی۔ مقدمہ بغاوت میں گرفتار ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے تصرفات غیبی نے باعزت رہائی کا سامان کیا۔ ۱۹۶۳ء میں "خلافت پاکستان" کو ملک کا دستور اور قومی منشور بنانے کے لئے "قومی جمہوری محاذ" کے سامنے پیغام حق پیش کیا۔ دوبارہ مقدمہ بغاوت میں مبتلا کر دیئے گئے۔

اسی سال پنجاب یونیورسٹی آرڈی ننس کے خلاف نوجوانوں نے ایجی ٹیشن شروع کیا۔ نوجوانوں کی تائید وحمایت کے جرم میں آتش زنی۔ ڈکیتی وغیرہ الزامات کے ماتحت شکنجۂ ظلم میں کس دیئے گئے۔ حکمت الہٰی اور موہبت ربانی نے پھر دستگیری کی۔ مقدمہ حکومت نے واپس لیا۔ ۱۹۶۶ء میں آل پاکستان نیشنل کانفرنس (منعقدہ ۵-۶ فروری) لاہور میں غلط تقسیم اقتدار، غلط تقسیم دولت، فسادِ اعتقاد اور اختلالِ تعلیم وتربیت اور مجہولیت قیادت کے خاتمہ کے لیے خلافت پاکستان کا منشور پیش کیا۔ ظلم وجبر سے اس وقت کے ابن زیاد نے کام لے کر کئی بار قاتلانہ حملے کرائے۔ ۱۹۶۸ء میں بمقام ایبٹ آباد نے بربریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظریۂ خلافت کی "تبلیغ واشاعت" کے جرم کی پاداش میں زندان میں ڈال دیا۔ ہائی کورٹ پشاور نے نظر بندی کو خلاف قانون قرار دے کر رہائی کا حکم دیا۔ ۱۹۶۹ء میں تحریک بحالی جمہوریت میں تحریک خلافت پاکستان کے تمام کارکنان نے بھرپور حصہ لیا۔ المختصر ہماری جدوجہد کا نقشہ یوں مرتب ہوتا ہے کہ ؎

جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے۔ اُدھر ڈوبے ادِھر نکلے

اور اب بقول حضرت علامہ اقبالؒ ع ہونا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا۔ مملکت خداداد پاکستان کو خلافت شرعی کا مرکز بنانے کے لئے پھر ایک بار بے مثال جذب و انہماک اور لازوال جوشِ جہاد کے ساتھ اپنی منزلِ آخری کی جانب ہمارا قافلہ رواں دواں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

ہم بلا خوف لومۃ لائم اعلان کرتے ہیں۔ کہ پاکستان میں لادین پارلیمانی جمہوریت، اشتراکیت اور ملوکیت کے نظریات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رد کرتے ہوئے ہم "خلافت علیٰ منہاجِ نبوت" کے قیام کے لئے اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ ہم واضح کرنا چاہتے ہیں۔ کہ ماضی میں چونکہ اسلام، اسلامی اصول۔ اسلامی آئیڈیالوجی اور اسلامی ثقافت کی بابت بعض خودغرض لوگوں نے جو گمراہیاں پھیلا رکھی تھیں۔ اور دین کے نام پر لادینی رجحانات کو جو فروغ دیا جا رہا تھا ہم اس کے مقابلہ میں خلافت محمدیؐ کا پاکیزہ تصور پیش کریں گے۔ اور جو لوگ اسلامی ذہنگ (اسلامک کلچ) اسلامک بائیس (اسلامی عصبیت اسلامک ویلوز (اسلامی اقدار) اسلامک پرنسپلز (اسلامی اصول) اسلامک کنسیپٹ (اسلامی تصوّرات) اسلامک سپرٹ (اسلامی روح) کے نعروں میں اسلامی عقائد و اعمال کی خام، ناقص اور ادھوری تعبیر کے بجائے بفحوائے

یاایھاالذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن۔

(ترجمہ:- اے ایمان والو۔ اسلام کو تمام و کمال قبول کرو۔ اور خواہشات نفسانی کی اتباع کرتے ہوئے شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو) کامل و مکمل تفسیر پیش کریں گے۔ اگر اسلام کو قبول کرنا ہے۔ تو اسے من وعن تسلیم کیجئے۔ ہمیں ادھورے مقلدین کی ضرورت نہیں ہے۔

قرآن سنت خلافت راشدہ۔ اتباع صحابہ کرامؓ۔ کتاب و سنت مشروط بہ ختم نبوت وغیرہ الفاظ اپنی جگہ پر ٹھیک ہیں۔ اور اسلامی مصطلحات کو واضح کرتے ہیں۔ لیکن ابہام اور اختصار کے ازالہ کے لئے ایک جامع اور منضبط تصور آئین و قانون کی ضرورت ہے تحریک خلافت پاکستان نے پورے غور و خوض کے بعد اس مقصد کے لئے مندرجہ ذیل چھ مثبت اور تین منفی اصول پیش کئے ہیں۔

مثبت اصول

۱۔ قطعیت فرامین کتاب

حقیقی۔ خالق۔ مالک۔ حاکم۔ اور منصف اللہ ہے قرآن اللہ کی آخری نازل کردہ کتاب ہے۔ اس لئے قانون سازی۔ عدالت۔ نظم و نسق اور حکومت کے ہر فیصلہ کے لئے قرآن اوّلین منبع اقتدار اور برترین فرماں روا ہوگا۔

۲۔ ختمیت احکام رسالت

زندگی کے ہر پہلو کے متعلق اللہ کے احکام پہنچانے کے لئے اس کے آخری بلاواسطہ نائب جناب خاتم النبیین والمرسلین محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام، اعمال، اور روایات، حدیث و سُنّت سے متعلقہ علوم کے مطابق ان کی فرضیت کا درجہ مقرر کرنے کے بعد حکومت کے ہر شعبہ کے لئے دوسرا

واجب التعمیل ماخذ اور وسیلۂ اقتدار ہوں گے ۔

۳- توسّل منہاجِ خلافت

جب کبھی کتاب و سنّت کا مفہوم متعین کرنے میں اختلافِ رائے پیدا ہو تو صحابہ کرامؓ ، ائمہ ، فقہاء اور سلف صالحینؒ کی تفاسیر، تصریحات، اجتہادات اور فتاویٰ کے جو نقاصے ہنگامی نہ تھے فقہ کے اصولوں کے مطابق بتدریج مدوّن اور مرتّب کرکے بحیثیت ایک ایسے اجماعِ ماضیہ کے ترجمان کے جو آج بھی اسلامی اعتقاد کے جواز کا تسلسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر اللہ سے اخذ کرنے میں ایک سبقت والی کڑی کا رتبہ رکھتا ہے منفرد فیصلوں یا نتائج تک پہنچنے میں بطور تیسرے ماخذ اور بنائے نفاذ کے قابلِ تقلید ہوں گے ۔

۴- اتّباعِ مسلکِ اجماع

مذکورہ بالا تینوں اصولوں کے ماتحت مخصوص یا قطعی قوانین کا استخراج کرنے میں ہر قسم کے اختلافِ رائے کا تصفیہ بالواسطہ ان اصحاب الرائے (رائے دہندگان) کی کثرتِ رائے سے کیا جائے گا جنہوں نے اپنی عادات میں اتباعِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور ضروری علومِ دینی اور دنیاوی میں دستگاہ کی بنا پر اہل الرائے کا منصب حاصل کرلیا ہو ۔

۵- اطاعتِ فتویٰ و فیصلہ

ہر مقدمہ میں مسلکِ اجماع کے مفہوم کے متعلق ہر قسم کے اختلافات کا آخری فیصلہ آئینی یا قانونی امور میں مفتی کی متعلقہ عدالت، اور واقعاتی امور میں قاضی کی متعلقہ عدالت، بحیثیت ایک آزاد اور واجب الاطاعت منصف کے کرے گی جس کا احاطۂ اختیارات حکومت، اربابِ حکومت اور ہر ادارے یا فرد پر حاوی ہوگا ۔

۶- تمسّکِ میثاقِ بیعت

ہر معاشرتی، سیاسی، آئینی، قانونی، تعلیمی اور انتظامی ذمہ داری اور اختیار کی بنا اُس مسلّمہ انفرادی اور اجتماعی میثاقِ بیعت پر ہوگی جو ریاست کا ہر باشندہ شہریت کے رجسٹر میں نام درج کراتے وقت آئین کے چھ مثبت اور تین منفی اصولوں کی وفاداری اور فرمانبرداری کا حلف اٹھا کر قبول کرے گا ۔

منفی اُصول

۱- امتناعِ فرعونیت (شرک اور ظلم کی ممانعت)

سرکاری اختیارات یا سرکاری اختیار کے بہانے یا انفرادی اقتدار سے کسی شخص یا گروہ کی آزادیٔ کردار پر کوئی پابندی سوائے آئین، قانون، یا معاہدۂ قانونی کی تعمیل کے عائد نہ کی جائے گی۔ عدالت متعلقہ ہر مقدمہ میں طے کرے گی کہ جبر کی نوعیّت، مقدار، اور طریقہ کہاں تک جائز تھا ہر شہری کو اختیار ہوگا اور اس کا فرض ہوگا کہ انفرادی اور اجتماعی کوشش سے ہر ایسی انسانی طاقت کا موزوں مقابلہ کرے جو اقتدار کو استبداد یا بیداد کی غرض سے استعمال کرے بشرطیکہ متعلقہ عدالت میں اقتدار کا ناجائز استعمال اور مقابلہ کے طریقہ کی موزونیّت ثابت ہو جائے ۔

قرآن میں شرک کی ممانعت اور فرعون کی مثال استبداد کا مفہوم واضح کردی

۲- امتناعِ قارونیت (ظلم اور استحصال کی ممانعت)

سرکاری دولت، سرکاری دولت کا اثر یا انفرادی دولت کسی شخص کی دولت کی مقدار یا قیمت بڑھانے یا گھٹانے کے لئے استعمال نہ کی جائے گی۔ نہ ہی کسی شخص کے دولت کمانے کے امکانات پر کوئی پابندی حائل ہونے دی جائے گی۔ سوائے اس صورت کے کہ آئین، قانون یا معاہدۂ قانونی کی تعمیل میں اس کی ضرورت محسوس ہو۔ عدالت متعلقہ ہر مقدمہ میں طے کرے گی کہ آیا کسی اقتصادی کاروائی کی نوعیت، حدود اور طریقے جائز ہیں یا نہیں۔

ہر شہری کو اختیار ہوگا اور اس کا فرض ہوگا کہ انفرادی اور اجتماعی کوشش سے ہر ایسی انسانی طاقت کا موزوں مقابلہ کرے جو دولت کے ناجائز استعمال یا ذخیرہ کی مرتکب ہو بشرطیکہ استعمال یا ذخیرہ کا عدم جواز اور مقابلہ کے طریقہ کی موزونیت متعلقہ عدالت میں ثابت ہو جائے۔

قرآن مجید میں ظلم، اکتناز، احتکار اور سود کی ممانعت اور قارون کی مثال دولت کے ناجائز استعمال یا ذخیرہ کا مفہوم واضح کر دیتی ہے۔

۳- امتناعِ یزیدیت (تلبیس دین اور منافقت کی ممانعت)

اسلامی اصطلاحات کسی شخص گروہ یا طبقہ کے غیر اسلامی اعتقادات، مفاد یا تجاویز کے تحفظ، تقویت یا فروغ کے لئے استعمال نہ کی جائیں گی۔ عدالتِ متعلقہ ہر مقدمہ میں فیصلہ کرے گی کہ آیا کسی قول، فعل یا رویہ سے دین کی تلبیس کا ارتکاب ہوتا ہے یا نہیں۔

ہر شہری کو اختیار ہوگا اور اس کا فرض ہوگا کہ انفرادی اور اجتماعی کوشش سے ہر ایسی انسانی طاقت کا مقابلہ کرے جو اسلامی اصطلاحات کو ناجائز مقاصد کے لئے آڑ بنا کر استعمال کر رہی ہو بشرطیکہ متعلقہ عدالت میں اسلام کا ناجائز استعمال اور مقابلہ کے طریقہ کی موزونیت ثابت ہو جائے۔

قرآن مجید میں منافقت کی ممانعت اور اسلامی تاریخ میں یزید کی مثال واضح کر دیتی ہے کہ اسلامی اصطلاحات کے اصل مفہوم سے ہٹ کر ان کے ناجائز استعمال کا مفہوم کیا ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں مقاصد قیام پاکستان کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور مسائل حاضرہ کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔ ان مقاصد کی روشنی میں جب ان مسائل کا حل پیش کیا جائے تو نکات ذیل میں اس کا تمام لب لباب آجاتا ہے۔

۱- پاکستان، اسلام کی عالمگیر انقلابی تحریک کو ہمارے وطن کی سرزمین سے شروع کرنے کے عزم کا نام تھا۔ ہم نے ابھی فقط بیرونی غلامی سے سیاسی نجات حاصل کی ہے، صنعتی طور پر بھی کچھ ترقی ہوئی ہے، لیکن اقتصادی معاشرتی، اخلاقی، ثقافتی، تعلیمی اور دینی لحاظ سے اس انقلاب کی تکمیل باقی ہے جو علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کی قیادت میں کفر زار ہند کو پاکستان بنانے کے لئے شروع کیا گیا تھا۔ ہم نے گذشتہ بتیس سال سے اس انقلاب کی تکمیل میں سر دھڑ کی بازی لگائی ہے۔ اسی طرح آئندہ بھی اسلام کے عالمگیر انقلاب کی علمبرداری کی کوشش کریں گے۔ اس اصول کو پاکستان کی تاریخ میں "تحریک خلافت پاکستان" کا نام دیا گیا ہے۔

۲- دنیا میں فقط ایک ہی اسلام ہے جو آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو زندگی اور آخرت کے ہر پہلو اور ہر قسم کے مسائل میں حتمی، قطعی اور آخری حجت قرار دینے کا نام ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے متعلق ہر اختلاف سلف صالحین کی رہنمائی میں موجودہ اُمت کے اجماع سے طے کرنا واجب ہے۔ قرآن مجید یا اسلام کی کوئی ایسی تعبیر قبول نہیں جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم یا اسلامی فقہ سے انحراف

کرکے پیش کی جائے۔ جو شخص حضور خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئی نبوت کا قائل ہوگا وہ دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائیگا اور اُسے قانونی طور پر مسلمان کا نام استعمال کرنے سے روک دیا جائے گا۔

۳۔ پاکستان کے آئین، قانون یا کسی ملکی ضابطہ کا کوئی حکم اس وقت تک نافذ نہیں ہونا چاہیئے جب تک کہ اسلام کی مذکورہ بالا تعریف کے ماتحت اس کا وجوب ثابت نہ ہو جائے۔ اور کسی عدالت میں کوئی شخص جج یا مجسٹریٹ نہ ہونا چاہیئے جب تک کہ وہ مفتی اور قاضی کی شرعی قیود و شرائط پر پورا نہ اُترتا ہو۔ موجودہ عہدیداروں میں سے جو اس معیار پر پورے نہیں اُترتے ان کی تربیت اور تعلیم کا سرکاری انتظام عبوری زمانہ کے لئے ہونا چاہیئے اور اس کے لئے خاص امتحانات ہونے چاہئیں جن میں علمی قابلیت کے علاوہ اسلامی کردار کا بھی خیال رکھا جائے۔

۴۔ پارلیمنٹ میں ایسے قوانین منظور کرانے کی کوشش کی جائے گی جس سے سُودی کمائی اور شرعی لحاظ سے دیگر تمام اقسام کی حرام آمدنی بند ہو جائے۔ تمام حرام ذرائع سے حاصل کردہ جائیداد، املاک یا دولت بحق بیت المال ضبط کی جائے اور فقط شرعی لحاظ سے حلال ملکیت اور جائداد کسی پاکستانی شہری کے قبضہ اور تصرف میں رہ سکے۔ نیز کوئی مسلمان کسبِ حلال کے موقع سے محروم نہ رہے۔ محتاجگان کی رہائش، پوشاک، خوراک، ثقافتی و تعلیمی تربیت اور نگہداشت بیت المال کے ذمہ ہو۔

۵۔ کوئی مسلمان کنبہ کسی قسم کا رشتہ یا کسی قسم کی وراثت مذکورہ بالا اسلامی تعریف کے خلاف قائم نہ کر سکے۔ انسانی مزدوریات کی شرعی کفالت کے بعد، جرائم کی شرعی سزائیں نافذ کی جائیں۔ عورتیں شرعی حجاب اور تقویٰ کی پابندی کریں۔ علیٰ ھذا القیاس دیگر افراد خاندان بھی اسلامی معاشرت، تقویٰ و طہارت اور اخلاق، حیا اور وفا کے پابند ہوں۔

۶۔ چین اور روس کے مسلمانوں سے لے کر بھارت، کشمیر، فلسطین اور اریٹیریا، الجزائر، نیز دنیائے عرب، افریقہ اور تمام دُنیا کے مسلمان ایک اُمّت ہیں اور ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ کمیونزم یا سرمایہ پرستی یا قوم پرستی کی جاہلانہ اور کافرانہ طاقتوں سے ہمارے تعلقات اسی عالمگیر اتحاد کے اراکین کی حیثیت سے استوار ہونے چاہئیں۔

۷۔ تحریک پاکستان کے تین بنیادی مقاصد یہ تھے کہ (۱) دولت اور اقتدار میں ہر پاکستانی برابر کا حصہ دار ہے (۲) اسلام برترین فرمانروا ہے۔ (۳) حکمران چھوٹے وعدے اور نعرے بلند نہ کر سکیں۔ اب پاکستان کے آئین میں ان تینوں نکات کی تکمیل ہونی چاہیئے۔ یا دوسرے الفاظ میں فرعونیت، قارونیت اور یزیدیت کی ممانعت ہو۔

ختم نبوت

مندرجہ بالا چھ مثبت اور تین منفی اصولوں کا نقطۂ ماسکہ عقیدہ خاتمیت ہے۔ ملک و ملت کی سالمیت اور استحکام کا سارا دارو مدار اسی عقیدہ کے تحفظ سے وابستہ ہے۔ کیونکہ یہ ہمارا پیارا آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے جس نے ہمیں سکھایا ہے کہ اس کائنات کا ایک رب ہے اور اُسی نے ہمیں آگاہ کیا کہ قرآن اس برتر اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب ہے اور یہ قرآن ہی تو ہے جس کے بتائے ہوئے دستور سے خاندان قائم رہتے ہیں۔ ذرا سوچو اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بیچ سے اُٹھ جائے تو وہ کیا حلہ ہوگی اور وہ کونسی دیوار ہوگی جو ہمیں چیا دن سورن سنگھ، نندہ اور اندرا گاندھی سے جُدا رکھے گی۔ اور اگر تمہیں تم نہ ہوگے تو پاکستان کہاں ہوگا اور اگر پاکستان نہ ہوگا تو حکومت کہاں ہوگی اور قومی غیرت کس شئے کا نام ہوگا۔ پھر اگر یہ موٹی بات ہے کہ ان سب رشتوں اور ان تمام وابستگیوں کی جڑ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں تو جو طاقت تمہیں اس نبیؐ سے جدا کرتی ہے۔

وہ کیا تمہارے ماں باپ، بہن بھائی، تمہاری جائداد اور تمہاری زندگی کی ہر خوشی سے تمہیں محروم نہیں کرنا چاہتی جس سے تمہاری دنیاوی زندگی کے یہ سہارے بھی قائم ہیں۔

پاکستان کی سالمیت اور عقیدۂ ختم نبوت

پاکستان کی سالمیت عقیدۂ ختم نبوت سے وابستہ ہے کیونکہ بیسویں صدی میں پاکستان کا قیام ایک اعجوبہ سے کم نہیں۔ پاکستان کے دو منطقوں میں ایک ہزار میل کا فاصلہ ہے ان میں نہ جغرافیائی ہمسائیگت ہے۔ اور نہ زبان مشترک ہے، نہ پٹ سن اور روئی کی کاشت اور فروخت یکساں اقتصادی اصولوں کی پابند ہے۔ صرف دین کا رشتہ ہے جس کی بنا پر ملک قائم ہوا اور قائم رہ سکتا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے وضاحت کر چکا ہوں دین کے عام فہم معنی سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو زندگی اور آخرت کے ہر مسئلہ میں آخری حجت مانا جائے اور ہر زمانے میں جن لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو زندگی اور آخرت کے ہر مسئلہ میں آخری حجت تسلیم کیا ہے ان کی کارگزاری کی روشنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مفہوم سمجھا جائے جسے فقہا کی اصطلاح میں سنت سلف صالحین کہا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ہر آئین میں قرآن و سنت کو سارے آئین کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔ ان حالات میں پاکستان کی سالمیت برقرار رکھنے کی خاطر پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس نبی پر نازل ہونے والی کتاب اور کس نبی کی سنت آئین کا سرچشمہ ہے۔

دل بہ محبوبِ حجازیؐ بستہ ایم　　　زیں جہت با یکدگر پیوستہ ایم

گویا ختم نبوت صرف فقہ اور عقائد کا مسئلہ نہیں یہ پاکستان کے آئین اور قانون کا مسئلہ ہے۔ یہ مشرقی پاکستان، کشمیر، سرحد، بلوچستان، پنجاب اور سندھ کو ایک دوسرے سے پیوست کرنے یا ایک دوسرے سے اکھاڑ کر ریزہ ریزہ کر دینے کا مسئلہ ہے۔ صرف یہی نہیں یہ پاکستان کو بھارت سے جدا کرنے یا بھارت کے ساتھ واپس ملحق کر دینے کا مسئلہ ہے صرف یہی نہیں یہ ہر پاکستانی خاندان کے اندر نسب اور صلہ رحمی کے رشتے قائم رکھنے یا منقطع کر دینے کا مسئلہ ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ بحیثیت ایک مسلمان کے کسی مسلمان کی شخصیت کو قائم رکھنے یا دیوانے کے خواب کی طرح اس کی شخصیت کے مختلف اجزاء کو ایک دوسرے سے برسرپیکار کر کے اس کی اخلاقی اور ذہنی موت وارد کر دینے یا توحید سے اس کو بامعنی بنا دینے کا مسئلہ ہے۔

میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہ کسی شاعر کی مبالغہ آرائی یا کسی واعظ کی محفل آرائی نہیں۔ تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ جس دن سے تحریک تحفظ ختم نبوت کو کچلا گیا اس دن سے مشرقی اور مغربی پاکستان کے مابین مساوات نمائندگی اور مساواتِ تقسیم کے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ جس پختونستان کو ہم جاہلانہ عصبیت کا نام دیا کرتے تھے وہ ہمارے ایک سابق صدر مملکت اور ایک بیرونی بادشاہ کے مابین موضوع گفتگو بن چکا ہے اور اب کابل براڈ اور انمان زئی براڈ میں تقسیم ہو کر اسے ریشمی غلاف میں ملفوف کر کے پیش کیا جا رہا ہے (جب صوبجاتی خود مختاری پیش نظر ہے تو پختونستان کے گمراہ کن نام کے بجائے اسے صوبۂ خیبر سے کیوں موسوم نہیں کیا جاتا۔) ملک کی ایک کے بجائے دو زبانیں منفرد ہو چکی ہیں اور اب اردو کو بھی نزاعی مسئلہ قرار دے کر علاقائی زبانوں کو مساوی درجہ دینے کی کوشش ہو رہی ہے۔ جس پنجاب نے پاکستان بنانے کے لئے سب سے زیادہ قربانی دی اور جس نے سب سے زیادہ مہاجرین کو آباد کیا اُسے گذشتہ دس سال ساٹھ فیصدی کے بجائے چالیس فیصد نمایندگی ملتی رہی اور ادنیٰ ملازمتوں میں یہ تناسب بیس سے لیکر تیس فیصدی تک گر گیا اور جب

تلافیٔ مافات کا موقع آیا تو وحدت کو بھی کالعدم قرار دے کر "آں قدح بشکست و آں ساقی نماند" کا نقشہ پیش کر دیا گیا۔ بلکہ زونل فیڈریشن کے چکر میں لا کر پنجاب کو ساٹھ کے بجائے بیس فیصدی نمائندگی دے کر مساوات کا ہمرنگ زمین دام فریب پھیلایا جا رہا ہے۔

مجھ سے زیادہ صوبائی عصبیتوں کا مخالف کوئی نہ ہوگا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایک مسلمان بھائی کا حق بلا رضامندی دوسرے کو منتقل کر دینا ظلم ہے۔ ظلم سے تعصبات مٹا نہیں کرتے بلکہ ہر تعصب کی پرورش کسی ظلم سے ہوتی ہے۔ کل پنجاب کے نام پر بنگال کو اس کثرت آبادی کے حق نیابت سے محروم کیا گیا تھا تو بعض نادان پنجابی خوش ہوئے کہ بنگالی بڑے متعصب ہیں اچھا ہے ان کی نیابت کم ہو گئی۔ اس کا صلہ یہ ملا کہ بعد میں خود پنجاب کو ساٹھ فیصد کے بجائے چالیس فیصد نیابت مل گئی۔ شکر ہے اب مشرقی و مغربی منطقوں کو تناسب آبادی کے مطابق حصہ مل گیا۔ مگر کس قیمت پر؟ وحدت مغربی پاکستان کے پرزے اڑ گئے اور علاقائی خود مختاری کی آڑ میں مرکز کی بے دست و پائی ملکی سالمیت میں اختلال و انتشار کے اسباب پیدا کر گئی۔ غرض ظلم کی جڑ سے ظلم کا پھل پیدا ہوتا ہے۔ ظلم اور انصاف کے مابین حدّ سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے اور کسی پیمانے سے کھینچی نہیں جا سکتی۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت (ختمیت احکام رسالت) کو ملک کی سیاست سے خارج کرنے کی ناپاک مساعی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ خود ملک کی سیاست مجہول و معدوم ہو کر رہ گئی ہے۔ جن بوالعجمیوں پر کبھی مسلم لیگ کا مذاق اڑایا جاتا تھا آج ملک کی ہر سیاسی جماعت ان بوالعجمیوں کا عجائب گھر بن کر رہ گئی ہے۔ تلبیس و منافقت کے زور سے جو پارٹی کتاب و سنّت کی فرمانروائی کا نعرہ بلند کرتی ہے وہ حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اشتراکیت اور جمہوریت کے آقاؤں کی غلامی کو بھی لازمہ حیات سمجھتی ہے۔ حضور خاتم النبیین و المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ بقول حکیم الامت ؎

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است۔

دنیا کے تمام قائدین، مفکرین اور فلاسفر کو ٹھکرا کر صرف مولائے یثرب صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کو زندگی اور آخرت کے تمام مسائل میں ہر پہلو سے حرف آخر قرار دیا جائے اور اس میں کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے کیونکہ

؎ باطل دوئی پسند ہے۔ حق لاشریک ہے

شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول۔

تحریک تحفظ ختم نبوّت

افسوس ہے کہ عقیدہ ختمیت کی اہمیت اور دائرہ گیرائی کو افرنگ زدہ طبقہ نے نظر انداز کر کے اسلامی معاشرہ میں خلل اور دو غلاہٹ پیدا کر دی اور اسلام کو دیگر مذاہب کی صف میں کھڑا کر کے زندگی کا پرائیویٹ مسئلہ قرار دے دیا حالانکہ یہ ایک مشہور مسئلہ ہے کہ مسلمان کا دین اُس کی دنیا سے جدا نہیں اور مسلمان کی سیاست اُس کی عبادت سے منقطع نہیں۔ باوجود اس کے تحریکِ تحفظ ختم نبوت کے متعلق یہ افسوسناک سانحہ ہے کہ اس تحریک کو ان معنوں میں بار بار مذہبی تحریک کہا گیا ہے گویا یہ ایک سیاسی، اقتصادی اور عالمگیر تحریک نہ تھی جب "مذہبی" کا لفظ ان معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے تو اُس کی دہی دُرگت بن جاتی ہے جس طرح "مذہبی سکھوں" کی ترکیب لفظی میں مذہب کا

اسلامی مفہوم مسخ ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ تحریک تحفظ ختم نبوت ان معنوں میں ایک مذہبی تحریک تھی جن معنوں میں "تحریک قیام پاکستان" ایک مذہبی تحریک تھی، جن معنوں میں "تحریک حصولِ کشمیر" ایک مذہبی تحریک ہے اور جن معنوں میں سُود کی ممانعت سے پاکستان کی اقتصادیات کو مغربی بنکاری (BANKING) کے انسانیت کش اثرات سے نجات دلانے کی تحریک ایک مذہبی تحریک ہوگی۔ اس غلط فہمی اور غلط بیانی کی ابتدا اس ماحول میں ہوئی جب کہ "راست اقدام" (DIRECT ACTION.) کو بغاوت کے مترادف قرار دینے کی ناجائز کوشش جاری تھی۔

جس شخص نے تحریکِ تحفظِ ختم نبوت کی ابتدا اور ارتقاء کے مراحل کا مطالعہ کیا ہے اور اس وقت کی تقاریر اور جلسوں کی کارروائی اور کارکنوں کی جدوجہد اور تنظیم کی سرگرمیوں پر اس کی نگاہ ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ اس تحریک کے چلانے والوں کو صرف یہ خیال دامنگیر نہ تھا کہ وہ الٰہیات، فقہ یا علم عقائد کا کوئی اصولی مسئلہ بجائے مدرسہ میں طے کرنے کے مسندِ حکومت پر بیٹھ کر سلجھانے کے خواہشمند تھے۔ بات یہ تھی کہ الٰہیات، فقہ اور علم عقائد کے ایک مسلمہ مسئلہ کو بعض سیاسی، اقتصادی اور عملی سازشوں کی مصلحت نے یوں الجھا دیا تھا کہ بغیر اس مسئلہ کو مسندِ حکومت پر بیٹھ کر طے کئے نہ ان سیاسی غداروں کا علاج کیا جا سکتا تھا جو نبوت کا نُور ملکہ وکٹوریہ کے نور سے اخذ کرنا چاہتے تھے۔ نہ اُن اقتصادی رخنہ اندازیوں کا قلع قمع ہو سکتا تھا جو امریکہ میں پیدا ہونے والے وافر غلّے کی منڈی پاکستان میں مہیا کرنے کی خاطر ایک طرف پاکستان کے دریاؤں کا رُخ بدلے جانے پر کسی عملی مداخلت کی بجائے یو۔این۔او میں ساڑھے بارہ گھنٹے تقریر کرنا کافی سمجھتے تھے (سر ظفر اللہ کی تقریربازی) اور دوسری طرف ملکی غلّے کو بھارت میں سمگل ہونے کا موقع دے کر یہاں مصنوعی قحط کی صورت پیدا کر رہے تھے، نہ ہی ان عالمگیر سازشوں کا مقابلہ کیا جا سکتا تھا جو روس اور امریکہ کی لڑائی میں اسلام کے نام پر پاکستانی سپاہیوں سے وہی کام لینا چاہتے تھے جو پہلی اور دوسری عالمگیر جنگوں کے دوران راولپنڈی اور جہلم کے رنگروٹوں نے بغداد اور مصر میں حکومت انگلشیہ کی زرّین خدمات بجا لا کر انجام دیا تھا۔

مقامِ محمدی

تحریک تحفظ ختم نبوت سے قطع نظر جب اس عقیدہ خاتمیت کی عالمگیر آفاقیت کا علمی و تحقیقی انداز میں جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اس سے انکار وانحراف نہ صرف کفر کو مستلزم ہے بلکہ اُمّت محمدیہ کے خلاف کھلی بغاوت کے مترادف ہے جب کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی کے خلاف اقدام کرتا ہے تو سوادِ اعظم اُمّت محمدیہ سے جنگ آزما ہو کر وحدت ملّی کو پارہ پارہ اور دارالاسلام پاکستان کو ریزہ ریزہ کرنا چاہتا ہے۔ بنابریں اُمّت کو سنگین حصار بنا کر اس کے تحفظ کا مستقل انتظام کرنا پڑے گا اور اسلام کی آڑ میں عقیدۂ خاتمیت کے خلاف ہر قسم کی حرکت کو قانوناً روک دینا ہوگا۔ اس عقیدہ کی اہمیت کو حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بدیں الفاظ بیان کیا ہے۔

"اس نقطۂ خیال سے دیکھا جائے تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم "دنیائے قدیم اور "دنیائے جدید" کے درمیان بطور حدّ فاصل کھڑے دکھائی دیں گے۔ اگر یہ دیکھا جائے کہ آپؐ کی وحی کا سرچشمہ کیا ہے تو آپ دنیائے قدیم سے متعلق نظر آئیں گے۔ لیکن اگر اس حقیقت پر نظر کی جائے کہ آپؐ کی وحی کی روح کیا ہے تو جنابؐ کی ذات گرامی دنیائے جدید سے متعلق نظر آئے گی۔ آپ کی بدولت زندگی نے علم کے ان سرچشموں کا سُراغ پا لیا جن کی اسے اپنی شاہراہوں کے لئے ضرورت تھی۔ اسلام کا ظہور استقرائی علم

(INDUCTIVE KNOWLEDGE) کا ظہور ہے۔ اسلام میں نبوت اپنی تکمیل کو پہنچ گئی اور اس تکمیل سے اس نے خود اپنی خاتمیت کی ضرورت کو بے نقاب دیکھ لیا۔ اس میں یہ لطیف نکتہ پنہاں ہے کہ زندگی کو ہمیشہ عہد طفولیت کی حالت میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اسلام نے دینی پیشوائی اور وراثتی بادشاہت (PRIESTHOOD AND HEREDITARY KINGSHIP) کا خاتمہ کر دیا۔ قرآن حکیم غور و فکر اور تجارب و مشاہدات پر بار بار زور دیتا ہے اور تاریخ و فطرت دونوں کو علم انسانیت کے ذرائع کے ذرائع ٹھہراتا ہے۔ یہ سب اسی مقصد کے مختلف گوشے ہیں جو ختم نبوت کی تہ میں پوشیدہ ہے۔

"پھر عقیدہ ختم نبوت کی ایک بڑی اہمیت یہ بھی ہے کہ اسے لوگوں کے باطنی واردات (Mystic Experience) کے متعلق ایک آزاد اور ناقدانہ طرز عمل قائم ہوتا ہے۔ اس لئے ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ اب نوع انسانی کی تاریخ میں کوئی شخص شخص اس امر کا مدعی نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی مافوق الفطرت اختیار (Supernatural Authority) کی بنا پر دوسروں کو اپنی اطاعت پر مجبور کر سکتا ہے۔ ختم نبوت کا یہی عقیدہ ایک ایسی نفسیاتی قوت ہے جو اس قسم کے دعوے اقتدار کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ اب کسی کے باطنی مشاہدات کیسے ہی غیر معمولی کیوں نہ ہوں، ان پر اسی طرح تنقیدی نگاہ ڈالی جا سکتی ہے جس طرح انسانی مشاہدات کے دوسرے پہلوؤں پر (Reconstruction of Religious thoughts in Islam "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ صفحہ - PP-126"

۔ پس خدا برما شریعت ختم کرد | بر رسولؐ ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفلِ ایام را | او رُسلؐ را ختم و ما اقوام را
خدمتِ ساقی گری با ما نہاد | داد ما را آخریں جامے کہ داشت
"لا نبی بعدی" ز احسانِ خدا است | پردۂ ناموسِ دینِ مصطفیٰؐ است۔

پیغمبر اسلامؐ اور عالمی مسائل

عقیدۂ خاتمیت کی اہمیت سطور بالا میں مختصراً بیان ہو چکی۔ ہمارا ایمان ہے کہ امت کی تمام مصیبتوں اور پریشانیوں کا حل دامن مصطفیٰؐ سے وابستہ ہونے میں ہے۔ نہ صرف امت محمدؐ بگڑی اتباع سنت محمدیؐ سے بن سکتی ہے بلکہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؀ (ہم نے آپ کو تمام نوع انسان کے لئے (ہادیٔ برحق) بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے) کے مصداق کائنات ارضی کے تمام مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ آج روئے زمین کی انسانی آبادیوں پر نگاہ دوڑائی جائے تو تین بنیادی مسائل نے ہر جگہ انسان کو لاچار، مضمحل، پریشان اور دکھی کر رکھا ہے۔ پہلا مسئلہ اخوت انسانی کا ہے۔ آج انسان کی ترقی کا راستہ بتوں، چڑیلوں، بدروحوں، درندوں اور سانپوں نے نہیں روک رکھا بلکہ آج انسان کی ترقی اور حریت کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ پلید انسان ہیں جنہوں نے ان تمام بدارواح اور خبیث قوتوں کی خصلتیں اپنا لینے کی قسم کھا رکھی ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ انسان کا سہارا انسان بنتا اور انسان کی مشکلات کو انسان حل کرتا۔ لیکن آج انسان

سب سے بڑی فکر ہے تو انسان پر ایٹم بم، ہیڈروجن بم، زہریلی گیس اور زہریلے جراثیم برسانے کی۔ اگر انسان قمر و مریخ کا رُخ کرتا ہے تو افلاک سے رحمتیں حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ بنی نوع انسان پر جنگ کے مکروہ دیوتا کے ساتھ سازش کرکے ہلاکت، مصیبت اور آگ برسانے کی خاطر۔ یہ صورتِ حال ان منافقین کی مساعی سے کبھی اصلاح پذیر نہیں ہو سکتی جو جمعیت اقوام بناتے ہیں تو کمزوروں کا گھر لوٹ کر طاقتور کی خونخواری کی تسکین کی غرض سے۔ اور جو یو۔ این۔ او بناتے ہیں تو کشمیر اور فلسطین کی قسمت سے کھیلنے کے واسطے۔ جو جینیوا میں اکٹھے ہوتے ہیں تو مشرقِ وسطیٰ کی بندر بانٹ کی نیت سے اور جو دول کبیر کی مجلس کا اہتمام کرتے ہیں تو ملل صغیر کو اپنا نخچیر بنائے رکھنے کی خاطر۔

انسانی اخوت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تمام انسانوں کے مابین کوئی بنیادی قدرِ مشترک دریافت نہ کر لی جائے۔ انسانی معاشروں کے مابین کوئی قدرِ مشترک اس وقت تک دریافت نہیں ہو سکتی جب تک انسان ایک پیدا کرنے والے، ایک پالنے والے، اور ایک جان قبض کرنے والے کی توحید پر متفق نہیں ہو جاتے۔ نظریاتی توحید اس وقت تک قانون اور شریعت کی توحید پر منتج نہیں ہو سکتی جب تک کہ توحید کا سبق آخری نبی کی نسبت سے حاصل نہ کر لیا جائے۔

۲۔ اخوت انسانی کے بعد آج انسانیت کو جو دوسری حاجت لاحق ہے وہ جابرانہ اور مستبدانہ حکومت کی اصلاح ہے۔ انسانوں نے اپنی اپنی کمائی سے حسب توفیق ٹیکس ادا کر کے حکومت کا خزانہ اس لئے بنایا تھا کہ محتاجوں کی حاجت روائی ہو سکے اور اجتماعی ضروریات کی کفالت مشترکہ جد و جہد سے ہو جائے۔ انسان نے اپنی حریت سے چند جگر کی بوٹیاں نوچ کر حکومت کو اس لئے اقتدار سونپا تھا کہ فرد کے ناموس اور وقار کا قرار واقعی تحفظ ہو سکے۔ لیکن آج امریکہ ہو کہ روس، برطانیہ ہو کہ فرانس اور جاپان ہو کہ چین تمام حکومتیں انسان کے سر پر سندباد جہازی کے "پیر تسمہ پا" کی مانند اس طرح مسلط ہوئی ہیں کہ غریب کو دوڑا دوڑا کر ہلکان کر دیا ہے۔ خود کردہ اقتدار سے پی پی کر مست ہو جاتے ہیں غریب سندباد کو لقمۂ حلال بھی حلق سے اتارنے کی مہلت نہیں ملتی۔ اس مرض کا تدارک بھی کسی ایک پیرِ اقتدار کی گدی پر کسی دوسرے پیرِ اقتدار کو بٹھا کر ممکن نہیں۔ بلکہ اس کا ایک ہی اصولی حل ہے کہ اقتدار کے بتوں کو ان کے سنگھاسن سے اُتار کر چکنا چور کر دیا جائے۔ انسان پر کسی انسان کو اپنی رائے سے حکم چلانے کا حق نہیں۔ حکومت صرف اللہ کی ہے۔ "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ"۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری۔

اللہ کے اختیارات کی تعمیل آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپی گئی تھی۔ اب انسان کے لئے سوائے رسولؐ کا نائب بن کر کچہری دربار میں احکام جاری کرنے کی کوئی وجہ جواز نہیں۔

۳۔ انسانیت کا تیسرا اہم مسئلہ آج کل یہ ہے کہ حریتِ فکر کی تحریک اس لئے چلائی گئی تھی تاکہ انسانوں کو چھوٹے آقاؤں اور ظالم فرمانرواؤں کی اطاعت سے نجات ملے۔ ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ جو چاہے اور جس طرح چاہے سوچے، یقین کرے اور عمل کرے۔ لیکن مصیبت یہ لاحق ہو گئی ہے کہ پابندئ افکار سے نجات دلانے کے لئے حریت افکار کا جو داعی اُٹھتا ہے۔ نمرود و شداد اور فرعون و ہامان بن کر بنی نوع انسان پر ذاتی۔ طبقاتی، نسلی اور خیالی اوہام اور تعصبات مسلط کرنے کے درپے ہو جاتا ہے۔

ع ابھی تک آدمی صیدِ زبون شہریاری ہے　　قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

جب لینن اور سٹالن کروڑوں انسانوں کو فنا کے گھاٹ اُتار چکے، جب انقلاب کے نامور ترین علمبردار اپنی عمریں تعذیب و تعزیر اور زنداں و سلاسل میں گزار چکے تو اب کمیونسٹ لیڈروں پر یہ راز کھلا کہ مارکس کی تعلیمات کا نفاذ متشددانہ انقلاب اور قتل و غارت کے بغیر جمہوری طریقوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ امریکی سفاک۔ جب ابیر انڈین (Red Indians) کی نسلوں کا صفایا کر چکے اور حبشی غلاموں کی کثیر آبادی کو زبردست بنا چکے تو انہیں غلاموں کو آزاد کرانے، نوآبادیات کو ڈومینین سٹیٹس (Dominion Status) دلانے اور حریت و جمہوریت کے متعلق وعظ کرنے میں بڑی راحت محسوس ہوتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ حریت فلسطین میں امریکہ کے متبنیٰ (اسرائیل) کو ضرر نہ پہنچائے اور الجزائر میں غلاموں کو جب آزادی عطا کی جائے تو وہ رضامندانہ طور پر اپنے آقاؤں کا طوق اپنے گلے میں ڈالنے پر آمادہ رہیں۔ ورنہ جمہوریت کا غلط استعمال کرنے والوں کے علاج کے لئے کنٹرولڈ اور گائیڈڈ ڈیماکریسی (Controlled and Guided Democracy) کا پورا عطار خانہ موجود ہے۔

تحریک حریت کی اس بے راہ روی کا علاج فقط یہ ہے کہ انسان پر کسی دوسرے انسان کے افکار کی پیروی کی پابندی نہیں۔ البتہ اُمتی انسانِ کامل (جناب محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم صلی اللہ علیہ وسلم) کے افکار کے مطیع رہنے کے پابند ہیں کیونکہ اس کے بغیر دوسرے انسانوں کی حریت قائم نہیں رہ سکتی۔

گمراہ قیادت کا سیاسی انتشار اور کفرانِ نعمت

رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اکملیت اور خاتمیت کے احسانِ عظیم سے غفلت اور انکار نے یہ روزِ بد دکھایا کہ ہماری قیادت افکارِ غیر کی دریوزہ گری کرتے ہوئے عملی نفاق و ضلالت کے چاہِ عمیق میں گر گئی۔ جو قائد اس حقیقت سے آگاہ تھے انہیں مصلحتِ وقت نے اندھا کر دیا اور نعرۂ مستانہ بلند کرنے کے بجائے متداولہ سیاسی نظریات سے مرعوب ہو کر خلافتِ محمدیؐ کی جگہ اسلامی جمہوریت، پارلیمانی جمہوریت اور اصولِ اسلام کے ماتحت حکمرانی کے مبہم تصورات میں اُلجھ کر رہ گئے۔

ہماری سوسائٹی کی موجودہ حالت یہ ہے کہ تین سو سال کی غلامی اور بائیس سال کی مادر پدر آزادی کے بعد ملت صوبائی گروہوں میں بٹ گئی ہے، ہر صوبے کی آبادی طبقات میں منقسم ہے، ہر طبقہ مختلف گروہوں میں بٹ چکا ہے، ہر گروہ باہم رقیب شخصیات کا اکھاڑہ بنا ہے اور ہر شخص کے دل و دماغ میں دن رات شک اور یقین کی کشتی کا دنگل ہوتا رہتا ہے۔ ایک ہی لیڈر کے مفادات، وزارت کا قلمدان ہاتھ میں لے کر کچھ اور ہو جاتے ہیں اور حکومت کی کرسی چھن جانے کے بعد گرگٹ کی طرح نیا رنگ بدلتے ہیں۔ ایسی حالت میں کیا عجب ہے کہ عام ملی مقاصد اور بالخصوص عامۃ الناس کے مفادات کی ترجمان کوئی مستقل قیادت یا تنظیم موجود نہیں۔ ہر طبقہ، ہر علاقہ اور ہر شخص متصادم وقتی مخصوص مفادات کی خاطر عام مفادات کو قتل یا فروخت کرنے پر ہر لمحہ آمادہ ہے۔

علاوہ ازیں یہ اعتراض بھی بجا ہے کہ ملک میں جمہوریت اور اسلام کی وکالت کے لئے بعض ایسے لوگ بھی صفِ اول میں کھڑے ہونے کے خواہشمند ہیں جو پہلے وزارتی یا ملازمتی اقتدار سے بدنام یا ناکام ہو کر معزول یا محروم ہو چکے ہیں اور اپنے دورِ اقتدار میں سیاسی حریفوں کو

شکست دینے کے وہی غیر جمہوری حربے استعمال کرتے رہے ہیں جنہیں آج وہ ناکام بنانے کا دعوی کرتے ہیں۔ عام آزادانہ انتخابات میں تاخیر، مشرقی پاکستان میں سات سال تک ضمنی انتخابات کا التواء، ڈھاکہ میں طلباء پر لاٹھی اور گولی کا استعمال، مغربی پاکستان کے صوبائی انتخابات میں "جھرلو" اور "کھوڑوازم" کی رسوائے زمانہ اصطلاحات معروف خاص وعام ہیں۔ ختم نبوت کے شہداء کے خون کے چھینٹے اگر بعض برسر اقتدار آستینوں پر موجود تھے تو بعض مدعیان متبادل قیادت کے دامن بھی اس سے صاف نہیں۔ غرض ایسی شکایات کا لب لباب یہ ہے کہ ماضی میں اپنے حریفوں کے خلاف وہ جس ظلم اور بے اصولی کے ہتھیار استعمال کرتے رہے بعد میں ان کے بعض پرانے ساتھی جب سازش اور چال سے برسر اقتدار آگئے تو انہوں نے کل کے ظالموں کو دنیا کی نگاہوں میں مظلوم بنا دیا۔ ظاہر ہے کہ بحالی جمہوریت اور تنفیذ شریعت کی جس تحریک کی وکالت اور قیادت کی صف اول میں ایسے افراد کو جگہ دی جائے گی ان کی ہمنوائی کے لئے عوام کی ہمدردی بغیر ہچکچاہٹ کے حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اگر عفو و درگزر اور تلافیٔ مافات کے اصولوں کا اطلاق کرنا بھی ہے تو اس کا طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ یہ ماضی کے خطا کار بحالی جمہوریت اور اقامت دین کی تحریک میں آخری صفوں میں کھڑے ہو کر اپنے تجربے اور مشورے سے پہلے حسن نیت اور تلافیٔ مافات کا کچھ مدت موثر ثبوت فراہم کریں اور اس دوران میں تحریک کی قیادت ایسے عناصر کے سپرد کی جائے جن کا تسلسل کردار دوست اور دشمن دونوں کی نگاہ میں بے داغ ہو اور جن کی شہرت خلل نیت کے بحث و مباحثہ سے ہمیشہ محفوظ رہی ہو۔

ع نیا دام لائے پرانے شکاری

مثل مشہور ہے کہ عوام کا حافظہ کمزور ہوتا ہے۔ اسی کمزوری کا سہارا لے کر کل کے ظالموں نے آج پھر مظلوم بن کر عوام کی ہمدردی کا روپ دھار لیا ہے۔ اور اپنی سابقہ بداعمالیوں، وعدہ خلافیوں، خلاف اسلام سرگرمیوں اور عوام دشمن بدعنوانیوں اور بے ضابطگیوں کے باوجود مخلوق خدا کو دام فریب میں پھنسانے کے لئے "ماہرین الیکشن" یعنی الیکشنی دنگل کے خلیفے" اپنی پارٹیوں کے منشور تیار کر رہے ہیں۔ جن پارٹیوں کے پاس سابقہ منشور موجود ہیں وہ سیاسی فضا کا اندازہ کر کے ان پر تازہ روغن پھیر کر انہیں زیادہ جاذب نگاہ اور چمکدار بنا رہے ہیں۔ ان میں جا بجا پیوند لگائے جا رہے ہیں۔ اور یوں پرانے منشور پر "نظر ثانی" کی جا رہی ہے کہ مخاطب کی آرزوئیں پوری کرنے کا ہر منتر درج ہو۔ کاشتکاروں کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ وہ مالک بن جائیں گے۔ سرکاری اراضی ان میں مفت تقسیم کر دی جائیگی بڑی زمینداریاں ختم کر کے ۱۵۰ ایکڑ حد ملکیت مقرر کر دی جائے گی، مزدوروں اور ادنیٰ ملازمین کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ ان کی تنخواہ کم از کم دو سو روپے ماہوار کر دی جائے گی، گاہکوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اشیائے صرف سستی ہو جائیں گی، سرکاری ملازمین کی پنشنوں کی موجودہ شرح ناکافی ہے اس میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ بیوگان، یتامیٰ اور ضعیف العمر محتاجوں کے سرکاری وظائف جاری کر دیئے جائیں گے، بھاری صنعتیں قومی ملکیت قرار دے کر مزدوروں کو حصہ دار بنا دیا جائے گا۔ غرضیکہ کوئی شخص کسی کا محتاج نہ رہے گا۔ غریبوں کی خاطر ہم آسمان سے تارے توڑ کر ان کے سامنے رکھ دیں گے۔ دودھ اور شہد کی نہریں چلا دیں گے۔ ضروریات زندگی روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور طبی امداد ہر شہری کو مفت فراہم ہوں گی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم شریعت محمدی کی ایک ایک شق اور ایک ایک شوشہ نافذ کر کے دم لیں گے اور خلافت راشدہ کا پاکیزہ عہد ایک بار پھر واپس لے آئیں گے۔

"الیکشنی دنگل" کے کھلینے جب دیکھتے ہیں کہ عوام کے کسی طبقہ کی ضرور بات کا تذکرہ چھوٹ گیا ہے یا جمہور کے کسی گروہ کی آواز پارٹی کے کانوں تک نہیں پہنچی تو یہ کمی بھی جلدی سے پوری کر دی جاتی ہے اور منشور میں جتنی جگہ باقی ہوتی ہے وہاں ان مطالبات کو کسی نہ کسی طرح ٹھونس دیا جاتا ہے۔ جو پارٹی سب سے آخر میں منشور شائع کرتی ہے وہ زیادہ جامع اور پُرکشش ہوتا ہے۔

بروایں دام بر مرغ دگر نہ کہ عنقارا بلند است آشیانہ

پاکستانی عوام کی غالب اکثریت ان پڑھ ہے اور سیاسی مدّ و جزر سے کما حقہ واقف نہیں تاہم ان لیڈروں اور پارٹیوں کے کردار کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور کئی بار ان کے مظالم کا تختۂ مشق بن چکے ہیں۔ یہ ہزار بھیس بدلیں، اور کتنے خوشنما نقاب اوڑھیں بمصداق

"بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش - من اندازِ قدت را می شناسم"

عوام سب کی اصل حقیقت سے آگاہ ہیں۔ انہیں تجربہ ہو چکا ہے کہ برسر اقتدار آنے کے بعد ان لوگوں کے لئے اپنے اعتقادات تبدیل کرنا اس سے زیادہ دشوار نہیں ہوگا جتنا کہ کسی شخص کے لئے اپنا جوؤں سے بھرا ہوا پرانا کرتہ پرے پھینک کر نئی قمیص پہننا دشوار ہو سکتا ہے۔ یہ آج ہمارے ہمدرد اور اسلام کے سچے عاشق نظر آ رہے ہیں۔ کل انہوں نے ہی ہماری آرزوؤں کا خون کیا تھا بلکہ گذشتہ بائیس سال میں انہوں نے باری باری ہماری آزادی اور آبرو کے سودے کئے اور قرآن و سنّت کی فرمانروائی کے بلند بانگ اعلانات کے باوجود زندگی کے ہر شعبے میں منافیٔ اسلام اثرات کو فروغ دیا۔

اہلکاراں بوقتِ معزولی شیخ شبلیؒ و بایزیدؒ شوند
چوں بیایند باز برسر کار شمر ذی الجوشن و یزید شوند۔

بنابریں "آزمودہ را آزمودن خطا است" کے مصداق پاکستانی عوام دوبارہ ان عیّار سیاست دانوں کے فریب میں آنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے۔

معیار حق و صداقت

"لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ"

اس مرحلے پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سب پارٹیاں آپ کی نگاہ میں ناقص اور ناقابل قبول ہیں تو تحفظ پاکستان اور اقامت دین اسلام جیسے اہم اور ضروری مسائل کی شدّت اور اہمیت کے پیش نظر کام کا آغاز کیسے کیا جائے۔ شخصی کوتاہیوں اور انفرادی خطا کاری سے کلی برّیت تو کسی فرد یا جماعت کے لئے ناممکن العمل ہے۔ پھر کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ سفر کی مشکلات شمار کر کے منزل کا شوق بھی ترک کر دیا جائے۔ چونکہ قومی اصلاح کے بعض علمبرداروں سے ماضی میں مایوسی ہو چکی ہے کیا آئندہ قوم اس ملک میں جمہوریت کی بحالی اور نفاذ شریعت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے اور آئینی حکومت کی بحالی غیر معین عرصہ تک ملتوی رکھی جائے جب تک پہلے اس کے لئے جدوجہد کرنے والوں کی صف میں شامل ہونے کے خواہشمند ہر فرد کی بے گناہی اور معصومیت کی تحقیقات مکمل نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا قرین مصلحت نہیں۔ پھر وہ کیا لائحہ عمل ہے جسے اختیار کرنے سے ہم اپنی موجودہ بے سرو سامانی اور تمام کمزوریوں کے باوجود کچھ کر کے دکھا سکتے ہیں۔

اس سلسلہ میں میری گذارش یہ ہے کہ توبہ کا دروازہ کسی کے لئے بند نہیں ہوا۔ ہر شخص بفحوائے "اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَات"... الخ دمگر جس نے توبہ کی ایمان لے آیا اور اس کی تصدیق عمل صالح سے کی پس اللہ تعالیٰ اس کی برائیاں محو کر کے انہیں نیکیوں میں بدل دے گا یعنی اس کے لئے اصلاح احوال کا راستہ کھل جائے گا،

بازآ، بازآ ہر آنچہ ہستی بازآ — گر کافر و گبر و بت پرستی بازآ
ایں درگہِ ما درگہِ ناامیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی بازآ۔

پہلی شکل یہ ہے کہ ماضی کے خطاکار اپنے عمل سے ثابت کریں کہ وہ مستحقین کا حق ترازو میں تول تول کر واپس کر دیں گے اور اپنی جائدادوں سے اپنے ناگزیر اخراجات کی گنجائش رکھ کر باقی سب فی سبیل اللہ صرف کر دیں گے۔ دوسرے چونکہ کارکنوں کے مقابلہ میں قائدین کی ذمہ داری زیادہ ہے۔ اس لئے جب لوگوں کو نیکی کا حکم دیں تو اپنے آپ کو مستثنیٰ نہ کریں۔ تیسرے آئندہ کے لئے قوم کے سامنے وہی معیار حق و صداقت پیش کریں جو حضور خاتم النبیین والمرسلین محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری دنیا کے سا[منے] اپنی امانت و دیانت کے ثبوت میں چیلنج پیش کیا کہ

"لَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" (میں نے تم میں اپنی زندگی گزار دی ہے تم اس پر غور نہیں کرتے)، پس دعوتِ حق دینے والے اپنے کردار سے ثابت کر دیں کہ کہاں تک اپنے قول و فعل میں مطابقت دکھاتے ہیں۔ اور چوتھے ہر قدم پر مخاطبین کو انتباہ کرتے رہیں کہ ان کے قول و فعل کا تضاد ساری تحریک کو فیل کر دے گا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جس بات پر سب سے زیادہ اپنے غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے وہ نفاق فی العمل ہے: "لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ہ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ" (تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک اس سے بڑا جرم اور کوئی نہیں کہ تم جو کہو اس پر عمل نہ کرو)

کارکنوں اور قائدین کو چاہیئے کہ محلہ کی مسجد کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا کر ملت کے ہر فرد، زن و مرد، پیر و جوان اور خورد و کلاں کی زندگی پر کڑی نگاہ رکھیں۔ سارا محلہ افرادِ خاندان کی طرح ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہو۔ ناظم محلہ کو علم ہو کہ ارکان مرکز نے آج کا دن کیسے بسر کیا۔ صالح زندگی کے اسلامی اصول کو عملاً نافذ کیا جائے اور ہر پہلو سے صحت مندانہ تعمیری سرگرمیوں کو اپنا لائحہ عمل بنایا جائے۔ محلہ مرکز جب زندہ ہو جائے گا تو پورا معاشرہ حق و صداقت کا علمبردار بن کر ملک و ملت کی وحدت و استحکام کے لئے مساعی رہے گا۔

لیڈروں کا کردار قوم کے سامنے ہے۔ قوم کے تمام طبقات کا فرض ہے کہ جذباتی نعروں اور مرصع و مزین منشوروں کے مقابلہ میں ان مصلحینِ قوم کے نامۂ اعمال کا مطالعہ کریں اور سخت محاسبہ کر کے انہیں "قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا" (سچی اور سیدھی بات کرنے) کا عادی بنائیں۔ تلافیٔ مافات کے بجائے جو زعمِ ملت ہر دلعزیز نعرے بلند کر کے بحالیٔ جمہوریت کے ایسے سیلاب میں تنکے کی طرح شامل ہوا جو عوام و طلبہ کے جوش و خروش اور بے پناہ ایثار و تہوّر کا حامل تھا تو وقتی حسنِ عمل کے بدلے اس کے لگائے ہوئے چرکوں اور پہنچائے ہوئے عظیم نقصانات کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔ مقدارِ عمل کے مطابق عفو و درگذر کا فیصلہ ہو گا۔ وہ سارا حساب یک لخت بیباق نہیں کرا سکتا۔ اگر اس میں اخلاص و

انفعال کے احساسات موجود ہیں" تو اسے امامت کے بجائے تقلید و اتباع کی کھٹائی میں کافی عرصہ تک گذرنا ہوگا۔ عوام کے مقابلہ میں اہل صحافت کی ذمہ داری زیادہ ہے۔ انہیں اخباریت کی خاطر ماضی کے خطاکاروں کا احتساب ترک نہیں کرنا ہوگا۔ نیز دائیں بازو اور بائیں بازو کی مصنوعی کش مکش میں تعصب و جنبہ داری کو ہرگز روا نہیں رکھنا ہوگا۔ جو لیڈر تاریخی واقعات کو مسخ کرے یا اپنی خطاکاری کی لغو تاویل کرے اُسے برملا ٹوک دینا ہوگا اور عوام کو اس کی پُر فریب سیرت اور ریک بام ودو ھوا اداکاری سے آگاہ رکھنا ہوگا۔ تب جاکر حق و باطل میں واضح حد قائم ہوسکے گی۔ اور قوم کو "گندم نما جو فروشوں" اور "خواجہ شرف مردو طرف" جیسے منافق نقاب پوشوں کی تلبیس سے نجات مل سکے گی۔

مراحل

تحریکِ خلافتِ پاکستان کی ضرورت

یہ تحریک بتدریج شروع ہو سکتی ہے

مذکورہ بالا سطور میں وضاحت ہو چکی ہے کہ آج کوئی پاکستانی ملک و ملت اور حکومت کی صورت حال سے مطمئن نہیں۔ یہ انتشار اور مایوسی اس وقت تک دُور نہیں ہو سکتی۔ جب تک ملک کے تمام گروہ اور طبقات مل کر پاکستان کو بچانے کیلئے ایک متحدہ تحریک نہ چلائیں۔ ایسی تحریک ان بنیادی مقاصد تک محدود رہ کر چلائی جاسکتی ہے جن کی خاطر پاکستان بنایا گیا تھا۔ بنیادی مقاصد کیا ہیں اس کی فہرست اوپر پیش کی جا چکی ہے۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ جو مقاصد پاکستان کی غایت تشکیل تھے اُن کی روشنی میں آج کل کونسے موٹے موٹے مسائل درپیش ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان کو بچانے کی تحریک فوراً قائم ہو سکتی ہے یا اس لئے درجہ بدرجہ کچھ ابتدائی کام کی ضرورت ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسی عظیم الشان تحریک اس وقت پوری طاقت سے نہیں چلائی جاسکتی۔ جب تک کہ ملّت جن طبقات اور گروہوں میں بٹ چکی ہے اُن سب کو تعمیر پاکستان کے بنیادی مقاصد یاد دلا کر ایک اقل قلیل (کم از کم) پروگرام پر متفق نہ کر دیا جائے۔ یہ ابتدائی کوشش بھی حسبِ ذیل مراحل سے گزر کر ہی پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتی ہے۔

مل کر سوچیں اور کسی نتیجے پر پہنچیں

غرض مند اور پاکستان دشمن عناصر نے اپنی سازشوں اور غلط کاریوں سے آج پاکستان میں ایسا ذہنی انتشار پیدا کر دیا ہے کہ دو شہری بھی کسی ایک پروگرام پر متفق ہو کر زیادہ دیر اکٹھے نہیں چل سکتے۔ جب تک ہم اس قابل نہیں ہو جاتے کہ اکٹھے مل کر چل سکیں تب تک پہلی کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ کم از کم مل کر ہی سوچنا شروع کر دیں۔ یہ باہمی مشورہ اس عزم کے ساتھ شروع کرنا چاہیئے کہ ہم پاکستان کو بچانے کے لئے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جس کی خاطر پاکستان قائم کیا گیا تھا، جس کی خاطر عظیم الشان قربانیاں دی گئی تھیں۔ کسی متفقہ تحریک کا پروگرام تیار کر کے ہی دم لیں گے۔ یہ مختصر پمفلٹ اسی سوچ بچار کو شروع کرنے کی غرض سے لکھا گیا ہے۔ چونکہ دارالاسلام پاکستان کا داخلی استحکام اور نظریہ پاکستان اس وقت تعصبات جاہلانہ کے نرغے میں ہیں اس لئے خلافتِ شرعی کے قیام کی خاطر ملک کا تحفظ سب مسائل سے مقدّم ہے۔

تحفظ پاکستان کے لئے پارٹی نہیں بلکہ ایک تحریک کی ضرورت ہے

جب کسی خطّہ زمین پر بسنے والوں کے مابین رہن سہن کے کچھ طریقوں پر اتفاق ہو جاتا ہے تو وہاں ایک معاشرہ قائم ہو جاتا ہے۔ یہ معاشرہ جب کسی دستور پر متفق ہو کر اپنے وجود کو باقاعدہ اور پائیدار بنا دیتا ہے تو

اسے ایک مملکت کا نام دیا جاتا ہے۔ جب مملکت کے نظم و نسق کو چلانے کے لئے کوئی واضح آئین مرتب ہو کر یہ طے پا جاتا ہے کہ برسرِ اقتدار حکمران کن قواعد کے ماتحت اپنے مناصب حاصل کریں گے تو یہاں ایک حکومت قائم ہو جاتی ہے۔ جس مملکت میں دستورِ آئین اور حکومت قائم ہو چکے ہیں وہاں ان اداروں کے ماتحت مختلف پارٹیاں اس لئے قائم کی جاتی ہیں کہ مملکت کے مستقل مقاصد، آئین کے بنیادی اصول اور حکومت کے مرتب کردہ قواعد کی پابندی کرتے ہوئے اپنے اپنے جماعتی منشور کے مطابق اقتدار حاصل کرنے کی دوڑ میں حصہ لیں۔ لیکن جب کسی مملکت کے بنیادی مقاصد کو چیلنج کیا جائے اور آئین، قانون اور حکومت کی مشترکہ طاقت اس چیلنج کو کم از کم وقفہ کے اندر کچل کر ختم کر دینے میں کامیاب نہ ہو تو وہاں مملکت کے بنیادی مقاصد کے تحفظ کی خاطر پارٹیاں قائم کرنے یا انہیں چلانے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ایسے نازک دور میں قربانی کے جوش سے سرشار اور عزم ایمانی سے مسلح ایک ایسی ولولہ انگیز تحریک اٹھانے کی حاجت ہوتی ہے جو پارٹیوں کی حدود سے بالا تر اٹھ کر اس نظریاتی چیلنج کو نابود کر دے جس نے مملکت کے بنیادی مقاصد کو للکارنے کی جرأت کی ہے۔ اگر ایسی زندہ تحریک بر وقت شروع ہو جاتی ہے تو مملکت، دستورِ مملکت، حکومتِ مملکت اور قانونِ مملکت سب کی محافظت کرنے والے سرفروشی مدعی ایک زندہ قوم اور ملت کی صورت میں منظم ہو جاتے ہیں۔ خدانخواستہ ایسی زبردست تحریک بر وقت قائم نہ ہوتی تو پھر وہ مملکت فنا ہو جاتی ہے جس کی پشت پر اس کو بچانے کی تحریک چلانے والی کوئی غیور اور با حمیت ملت نہ ہو۔ مملکت بہر صورت ملت کے پیکر کا پیرہن ہے اور پھر پیکرِ ملت کی جان، ان مقاصد سے وابستہ ہے جن کی ہمیشگی بکھرے ہوئے افراد کو ایک محسوس اور مستعد ملت کی شکل میں منظم رکھتی ہے۔

پارٹی میں شمولیت حصہ مانگنے کے لئے اور تحریک قربانی دینے کے لئے ہوتی ہے

اگر خلافت پاکستان کی تحریک چلانے کیلئے ملت کے مختلف گروہ اور طبقات متفق ہو جائیں، وہ کسی نتیجہ پر پہنچنے کی غرض سے مل کر سوچنے پر بھی آمادہ ہو جائیں، اس سوچ بچار کے بعد وہ یہ نتیجہ بھی قبول کر لیں کہ پاکستان کو بچانے کیلئے پارٹیاں کافی نہیں بلکہ مستقل ایک تحریک چلانے کی ضرورت ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہو گا کہ قیام پاکستان کے بنیادی مقاصد کے یہ شیدائی کام کس طرح شروع کریں۔ اس ضمن میں پہلا قدم یہ ہو گا کہ پارٹی اور تحریک میں شامل ہونے کی نیت کا فرق ذہن نشین کر لیا جائے۔ سیاسی پارٹیاں اس لئے قائم کی جاتی ہیں کہ دوسری پارٹیوں سے لڑ جھگڑ کر ملک کے اقتدار اور دولت میں تصرف حاصل کیا جائے۔ پھر جب پارٹی کو ایسا تصرف حاصل ہو جائے تو اسے پارٹی کے ارکان میں ان کی اہلیت اور کارکردگی کو مدنظر رکھتے ہوئے تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ پارٹی میں جو لوگ شامل ہوتے ہیں وہ یہ سب کچھ سوچ سمجھ کر اپنا حصہ مانگنے کے لئے شمولیت اختیار کرتے ہیں۔ برعکس اس کے کوئی تحریک کسی اعلیٰ مقصد کو حاصل کرنے کے لئے چلائی جاتی ہے۔ یہاں حصہ مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو شخص بھی تحریک میں شامل ہوتا ہے وہ اپنے حصے کی قربانی اور ایثار پیش کرنے کے لئے آتا ہے۔ ایک تحریک کے اراکین کے سامنے ہر وقت ایک ہی اصول ہوتا ہے وہ اصول یہ ہے کہ ہر رکن تحریک کی زیادہ سے زیادہ خدمت بجا لانے کے لئے کیا کر سکتا ہے کیا وہ اپنی قابلیت اور تجربے سے تحریک کا مقصد حاصل کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ کیا وہ اپنے وقت کا کچھ حصہ تحریک کے لئے وقف کر سکتا ہے۔ کیا وہ اپنی دولت اور جائداد سے تحریک کو تقویت پہنچا سکتا ہے۔ کیا وہ اپنے اثر و رسوخ کو تحریک کا اثر و رسوخ قائم کرنے کے لئے منتقل کر سکتا ہے۔ غرض ہر پہلو اور ہر ڈھنگ سے تحریک کو کچھ دینا ہوتا

ہے۔اس سے کچھ لینا نہیں ہوتا۔اس لئے پارٹیوں کی طرح تحریک میں عہدوں اور مناصب کی تقسیم بھی نہیں ہوتی۔ایک مقصد ہے اور اُسے حاصل کرنا ہے۔سوال صرف یہ ہے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کون کوشش کرنے پر آمادہ ہے اور وہ کیا کوشش کر سکتا ہے اس کوشش کو استعمال کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہے۔ممکن ہے جو شخص تحریک کے آغاز میں اس کا علمبردار بن کر آئے وہ کل تحریک کی سب سے پچھلی صف میں حقیر ترین رضا کار کی حیثیت میں تحریک کو زیادہ تقویت پہنچا سکے اور ممکن ہے جو شخص تحریک کا حقیر ترین رضا کار ہے وہ کل اس کا صف اوّل کا فائدہ اور ترجمان بن کر تحریک کی بہتر خدمت کر سکے۔تحریک کا مطلب ہی ہے کسی مقصد کے لئے حرکت کرنا۔یہاں کسی جمود کی گنجائش نہیں۔کسی مستقل تقسیم کار کی قید نہیں۔کسی عہدے دار کے منصب کی اطاعت کی پابندی نہیں۔پابندی صرف مقصد کی ہے۔اور اس مقصد کو ماننے والوں کی غالب اکثریت کا رجحان۔میلان اور اُن کی اہلیت یا نااہلیت ہی تحریک کی تقدیر کا فیصلہ کر سکتی ہے۔تحریک کے مقاصد کی نوعیت اور ان مقاصد کی امکانی قوت خود تحریک کا سانچہ ہوتی ہے۔اس سانچے میں آگے چلنے والوں، پیچھے چلنے والوں اور بیچ میں شامل ہونے والوں سب کو ڈھلنا پڑتا ہے۔

تحریک کی رُوح تعاون باہمی

پارٹیوں میں جہاں اہمیت تنظیم کو دی جاتی ہے۔تحریک میں بنیادی اہمیت مقاصد کی دانشکاف اور براہ راست اطاعت کو ملتی ہے۔یوں ایک لحاظ سے کسی پارٹی کی نسبت کسی تحریک کا چلانا زیادہ آسان نظر آتا ہے کیونکہ تحریک میں کوئی پیچیدگی نہیں ہوتی۔چالبازی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔صریح مقاصد سامنے ہیں۔صاف گوئی سے ان مقاصد کی وضاحت کرنا ہے۔پھر جسے یہ مقاصد قبول ہوں گے وہ خود بخود بغیر کسی ترتیب یا تحریص کے تحریک کی جانب کھچا آئے گا۔لین دین کا مسئلہ ہی نہیں۔تحریک کے تمام وسائل فقط تحریک کے مقاصد کی تبلیغ کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔لیکن تحریک کی اس سادگی کا یہ مطلب نہیں کہ تحریک میں شامل ہونے والے انسان فرشتے بن جاتے ہیں۔اُن کے انفرادی مسائل بھی ہوتے ہیں۔اُن کو حاجات بھی لاحق ہوتی ہیں۔مصائب اور شکست سے اُن کی دل شکنی بھی ہوتی ہے۔فتح اور کامیابی سے ان کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے۔لیکن تحریک کو اُن کی انفرادی کیفیات سے صرف اس حد تک دلچسپی ہوتی ہے جس حد تک اِن تغیرات سے تحریک کے مقاصد پر کوئی اچھا یا بُرا اثر پڑتا ہے۔اُن کے انفرادی اور وقتی مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے مختلف پارٹیاں کام کرتی رہتی ہیں۔تحریک نہ اُن سے تعرّض کرتی ہے، نہ اُن کی جنبہ داری۔تحریک کی عام توجہ چند معیّن مقاصد تک محدود رہتی ہے۔ان مقاصد کے دائرے کے باہر کسی پر کیا بیتے اس سے تحریک کو کوئی سروکار نہیں۔یہی وجہ ہے کہ ایک تحریک کے اندر متعدد پارٹیاں شامل ہوتی ہیں۔اُن کی باہمی رقابت اور مسابقت کی دوڑ بھی جاری رہتی ہے۔لیکن تحریک ان جزوی مسائل کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتی۔ہاں یہ گروہی اور طبقاتی اختلافات اگر تحریک کے مقاصد پر ذرہ بھر بھی اثر انداز ہوں تو پھر تحریک ایک فولادی عزم سے اُن کی جانب متوجہ ہو جاتی ہے اور جب تک تحریک کے عزائم میں اُن کی دخل اندازی کو کیفر کردار تک نہ پہنچائے تب تک چین سے نہیں بیٹھتی۔

تحریک کو یہ بے پناہ طاقت، تحریک میں شامل ہونے والوں کے تعاون باہمی سے حاصل ہوتی ہے۔اگر وہ سب تحریک کے مقاصد سے مخلصانہ وابستگی رکھتے ہیں تو ان کے اندر خود بخود انفرادی اور جزوی مسائل میں بھی ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانے اور دکھ سکھ میں شریک رہنے کا جذبہ پیدا ہو گا۔اس تعاون باہمی کے میلان کا موثر ترین اظہار تب ہوتا ہے جب مختلف طاقتیں تحریک کو اپنے حق میں کسی پہلو سے

تشویشناک سمجھ کر اس کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہوتی ہیں۔ ان رکاوٹوں کے مقابلے میں ایک تحریک کی روش وہی ہوتی ہے جو ایک بھاری بھرکم ہاتھی کی کسی رُخ پر بڑھتے وقت۔ چھوٹی موٹی رکاوٹوں پر وہ توجہ ہی نہیں دیتا۔ وہ انہیں مسلتا ہوا، پرے دھکیلتا ہوا، یا کچلتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔ بڑی بڑی رکاوٹوں سے وہ حتی الوسع بچ کر نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کوشش میں چکر بھی کاٹنا پڑے تو وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ لیکن اگر کوئی رکاوٹ اس کے سفر کو ہی منقطع کردینا چاہے تو اس رکاوٹ کا ضعیف ترین حصّہ تلاش کرکے اس شدّ ومدّ سے آگے بڑھتا ہے کہ اگر وہ رکاوٹ خود ہاتھی سے بڑی نہیں تو پھر اس کی راہ میں حائل بھی نہیں رہ سکتی۔

بقیہ :- اغراض و مقاصد صـ۵۲

اسلامی کردار کا بھی خیال رکھا جائے۔

۵۔ ایسے قوانین منظور کرانے کی کوشش کی جائے گی جن سے سُودی کمائی اور شرعی لحاظ سے دیگر تمام اقسام کی حرام آمدنی بند ہو جائے۔ تمام حرام ذرائع سے حاصل کردہ جائیداد، املاک یا دولت، بحق بیت المال ضبط کرلی جائے گی اور فقط شرعی لحاظ سے حلال ملکیت اور جائیداد کسی پاکستانی شہری کے قبضہ اور تصرّف میں رہ سکے گی۔ نیز کوئی مسلمان کسب حلال کے مواقع سے محروم نہ رہے گا۔ محتاجگان کی رہائش، خوراک، پوشاک، ثقافتی، دینی و تعلیمی تربیت اور نگہداشت (طبی امداد وغیرہ) بیت المال کے ذمہ ہوگی۔

۶۔ کوئی مسلمان کنبہ کسی قسم کا رشتہ یا کسی قسم کی وراثت مذکورہ بالا اسلامی تعریف کے خلاف قائم نہ کرسکے گا۔ انسانی ضروریات کی شرعی کفالت کے بعد جرائم کی شرعی سزائیں نافذ کی جائیں گی عورتیں شرعی حجاب اور تقویٰ کی پابندی کریں گی۔ علی ھذا القیاس دیگر افراد خاندان بھی اسلامی معاشرت، تقویٰ و طہارت اور اخلاق، حیا اور وفا کے پابند ہوں گے۔

۷۔ تحریک پاکستان کے تین بنیادی مقاصد یہ تھے کہ (۱) دولت اور اقتدار میں ہر پاکستانی برابر کا حصّہ دار رہے (۲) اسلام بزرین فرمانروا ہے (۳) حکمران جھوٹے وعدے اور نعرے بلند نہ کرسکیں"۔ اب آئین پاکستان میں ہر سہ نکات کی تکمیل ہونی چاہیئے یا بالفاظِ دیگر فرعونیت، قارونیت اور یزیدیت کی ممانعت ہو۔

وسائل

پاکستان میں احیائے خلافت کی پشت پناہی کون کریگا"

تحریک خلافتِ پاکستان کی آرزو، اعتقاد اور علمی پہلو پر خاصا لٹریچر موجود ہے لیکن جو لوگ مغربی نہجِ فکر کی بنا پر ہر مسئلے کو مختلف علوم کے زاویوں سے جانچنے کے عادی ہو چکے ہیں وہ سوال کرتے ہیں کہ اس تحریک کی پشت پناہی کونسا اقتصادی طبقہ کرے گا۔ وہ کہتے ہیں مان لیا کہ اس تحریک کی اخلاقی بنیاد ناقابل تردید حقائق پر مبنی ہے۔ یہ بھی تسلیم کر لیا کہ معاشرتی مسائل کا بہترین حل یہ تحریک پیش کر رہی ہے۔ یہ بھی درست کہ اس تحریک کے اصولوں کی رُو سے اقتصادیات زندگی کا اہم ترین پہلو نہیں لیکن اس کا کیا علاج کہ دنیا کے موجودہ نظام میں اقتصادی فرقہ بندی زبردست اہمیت رکھتی ہے۔ اگر اس طلسم کو توڑنا ہے تب بھی طلسم کی چابی تو خود طلسم میں سے ہی ڈھونڈ پڑے گی۔

آٹھ طبقے

ان اصحاب کو ان کی طرزِ فکر کے مطابق جواب دینے سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان میں تمدنی اور اقتصادی عوامل کے جوڑ سے آٹھ مختلف طبقات پیدا ہو چکے ہیں جن میں سے ہر ایک کے اقتصادی مفاد مختلف ہیں۔ ان میں چار تو یقیناً احیائے خلافت کے حامی ہوں گے اور چار مخالف۔ پہلے ہم مخالف عناصر کو لیتے ہیں۔

اینگلو محمڈن نوّاب

ان میں سے اکثر و بیشتر وہی لوگ ہیں جن کے آبا و اجداد ہندوستان میں اسلام کے دورِ انحطاط میں محض دیکھا دیکھی ایمان لانے کے باعث مسلم سوسائٹی کے نیچ طبقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ فرنگی اس ملک میں آیا تو اس نے اسلامی روایات اور تمدّن کے اعلیٰ رؤساء کو تباہ کر کے نیچ قوموں کی اولاد کو جو اسلام کی اعلیٰ روایات اور علوم سے بے بہرہ تھی انگریزی علوم پڑھا کر اپنے دور کے اُمراء کا رتبہ دے دیا۔ یہ نو دولتیے ان تمام نقائص کے علاوہ جو دوغلی ذہنیت کا نتیجہ ہوتے ہیں اقتصادی لحاظ سے نکھٹو اور مفت خورے ہیں اس لئے ان کا غیر اسلامی تموّل اور عیش و عشرت فرنگی نظام کا مرہونِ منّت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی خود غرضی اور نالائقی انہیں فرنگی سرمایہ دارانہ جمہوریت کا حامی بنا دیتی ہیں۔ بالعموم ان کے ذرائع آمدنی زمیندارانہ جائدادیں ہیں یا حکومت کے اعلیٰ مناصب۔ کہیں کہیں صنعت پر بھی ہاتھ مارا ہے۔ لیکن زندگی کی دلچسپیاں ذاتی ہونے کے باعث نہ انہیں زمینداروں سے ہمدردی ہے اور نہ دیگر عوامی طبقات سے۔ وہ تو اپنے عیش و عشرت اور جھوٹے جاہ و جلال میں منہمک ہیں۔ ان کی عادت سب کو لوٹنا اور کسی کے کام نہ آنا ہے۔

سرمایہ دار کمیونسٹ

سرمایہ دار کمیونسٹ بھی اینگلو محمڈن نوابوں ہی طرح عالم وجود میں آئے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کسی مرحلہ پر فرنگی کی عنایات سے محروم ہو گئے ہیں۔ یہ بھی اقتصادی طور پر نکھٹو اور مفت خورے ہیں۔ مگر ان کا اعتبار فرنگی جمہوریت کے

بجائے روسی کمیونزم کا پرچار کرکے لیڈری قائم رکھنے سے وابستہ ہے۔ انہوں نے ضرورت کے ماتحت کمیونزم کی اصطلاحات اختیار کرلی ہیں لیکن دراصل یہ لوگ کمیونسٹ بھی نہیں۔ فقط غریبوں کے نام پر امیریاں کرنے کے خواہاں ہیں۔ انہوں نے زیادہ تر کارخانوں یا دیگر صنعتوں پر قبضہ کر رکھا ہے۔ زمینداروں کے دشمن ہیں لیکن خود تجارت اور کارخانہ داری کے میدان میں بدترین سرمایہ دار ہیں۔ ذاتی طور پر ان کی زندگی غیر اسلامی لہو و لعب میں گذرتی ہے۔

شریعت فروش مولوی نما مخلوق

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے علم دین سے کچھ روشناسی حاصل کی لیکن یہ علم ان کے ذہن سے اُتر کر دل تک نہ آیا۔ لالچ اور خواہشات نے دنیا کی طلب کی۔ فرنگی نظام کے علوم سے ناواقف ہونے کے باعث سرکاری نوکری ملی تو ادنیٰ درجے کی جبکہ ان کا رجحان ہے تو غریب مسلمان، آخر ضرورت سے عاجز آ کر اس طبقہ نے اینگلو محمڈن نوابوں کا خادم بننے کی ٹھان لی۔ اب وہ ٹھکرائے جاتے ہیں لیکن دھتکارے جانے پر بھی خرخر کرکے آگے بڑھتے ہیں۔ گذارہ اچھا چل جاتا ہے۔ عزت نہ عوام میں ہے نہ نواب صاحب کے دربار میں۔ ان کی اصطلاحات دینی ہوتی ہیں اور معانی کا فرانہ۔ اقتصادی لحاظ سے یہ طبقہ بھی نکھٹو اور مفت خور ہے۔ اس لئے گو عوام کو اسلام کے نام بہلاتا ہے لیکن اسلام کے نام پر اُبھارنے کے خلاف ہے۔ اس کا اسلوب کلام یہ ہے کہ آدھی آیت قرآن مجید کی اور ساتھ سند کے لئے کوئی ڈھلی ڈھلائی انگریزی ترکیب۔ تحریر میں بریکٹوں کے اندر انگریزی الفاظ لکھ دیتے ہیں۔

انتباہ خدا ترس، متقی اور خدام خلق علماء و مشائخ اس مخلوق میں ہرگز شامل نہیں۔ ان باصفا خدام دین نے تحریک پاکستان کی تائید و حمایت کی تھی اور آج تک اس ملک کو دارالاسلام بنانے میں شب و روز مساعی ہے۔ اسلامی معاشرت اور اسلامی تہذیب و اخلاق کا جو اثر اس وقت تک باقی ہے وہ انہیں بندگان حق کی جدوجہد کا مرہون منت ہے۔ "شریعت فروش مولوی نما مخلوق" کا طبقہ بندگان شکم پر مشتمل ہے۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے انہی لوگوں کی بابت کہا تھا۔

؎ شیخ ملت با حدیثِ دلنشیں بر مراد اُو کند تجدید دیں۔

کرسٹان بابو

یہ چوتھا طبقہ وہ لوگ ہیں جو ابتدائے زندگی سے اسلامی عقائد، معاشرت اور تمدن سے بے بہرہ رہے۔ صرف پیدا مسلمانوں کے گھرانوں میں ہوئے تھے۔ فرنگی علوم، فرنگی اخلاق، فرنگی معیارِ زندگی ان کے دل و دماغ اور نس نس میں رچ چکے ہیں۔ یوں بھی یہ زیادہ تر ملازمت پیشہ اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ عوام سے دُور کوٹھیوں میں رہنا زندگی کی حقیقت سے دُور ہوٹل سینما، کلب اور دفتروں میں بسر کرنا، ان کا سارا طرز زندگی ذہن کی بناوٹ اور موجودہ اعلیٰ عہدے نظام حاضر کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اسی لئے یہ طبقہ بھی احیائے خلافت کا مخالف ہے۔ اقتصادی لحاظ سے یہ لوگ نکھٹو اور مفت خورے ہیں۔ محض دستخط کرنے کے عوض موٹی موٹی تنخواہیں ہماری تمہاری محنت پسینہ کی کمائی سے جمع کئے ہوئے سرکاری خزانہ سے بٹور لیتے ہیں۔ کہیں سرکاری دفتروں پر قبضہ ہے، کہیں کالجوں کے پروفیسر ہیں اور کہیں اخبار نویس۔

استثنیٰ سرکاری دفتروں میں بعض افراد نہایت ہی صالح اور دیندار بھی موجود ہیں۔ علیٰ ھذا القیاس پروفیسروں اور صحافیوں میں بھی احیاء خلافت اسلامیہ اور نفاذِ شریعت حقہ کے طلبگاروں کی خاصی جماعت موجود ہے جو اپنے محدود وسائل

کے باوجود دین کی خدمت کر رہی ہے۔

اب چار موافق طبقات کو دیکھئے :۔

دیندار زمیندار یہ وہ سادہ لوح مخلوق ہے جو پاکستان کے موجودہ اقتصادی ڈھانچے کی بنیاد ہے۔ یہ لوگ نہ علوم دینی کے فاضل ہیں نہ علوم مغربی کے ماہر لیکن دونوں کی عزت کرتے ہیں۔ متقی ولی اللہ تو نہیں لیکن اینگلو محمڈن نواب اور سرمایہ دار کمیونسٹ کی طرح بدمعاش بھی نہیں۔ حرام حلال کا امتیاز کرتے ہیں۔ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ خدا سے ڈرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں ہے۔ یہ لوگ احیاء خلافت کے تمنائی ہیں۔ گو وہ نہیں جانتے ہیں کہ دنیا کی موجودہ الجھی ہوئی صورتِ حالات میں یہ کیسے ممکن ہے لیکن وہ چاہتے ہیں کہ پاکستان کی ساکھ دنیا میں اونچی ہو۔ ہماری دوسرے اسلامی ملکوں سے برادری قائم ہو اور مسلمان پھر ایک مرتبہ مسلمان بن جائے۔ ہماری موجودہ ضروریاتِ زندگی میں سے گھی، گیہوں، چنا، دالیں، سبزی، گنا اور روئی یہی طبقہ کاشت کرتا ہے۔ اینگلو محمڈن نواب اس طبقہ کو بے دردی سے لوٹتا اور اس پر حکومت جتاتا ہے۔ سرمایہ دار کمیونسٹ اپنی کارخانہ داری اور تجارت کو ترقی دینے کے لئے غریب زمیندار کو عوام کے مطالبات کے سامنے قربانی کا بکرا بنا کر تباہ کر دینا چاہتا ہے تاکہ وہ خود محفوظ رہے۔ کرسٹان بابو سادہ لوح زمیندار کو بیوقوف سمجھتا ہے اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ شریعت فروش مولوی نما مخلوق، زمیندار کے گرد اس طرح چکر کاٹتی ہے جیسے مکڑی اپنے شکار کے گرد۔

چھوٹا دوکاندار یہ طبقہ بھی محنت سے حلال کما کر کھانے والا سچا مسلمان ہے گو ان کو دوسرے بے دین طبقے ابھرنے نہیں دیتے۔ لیکن اُن کے دل کی گہرائیوں میں احیاء خلافت کی سچی تڑپ موجود ہے۔ ان کی آمدنی کم ہے خرچ زیادہ ہے۔ پھر بھی تمام اسلامی تحریکوں کی ریڑھ کی ہڈی یہی طبقہ ہے۔ ہماری معاشرت میں دین دار زمیندار کے بعد سب سے زیادہ خدا ترس، محنتی اور وفادار چھوٹا دکاندار ہے۔ گو وہ تجارتی دلچسپیوں کے باعث زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہوتا لیکن ہر قسم کے لوگوں کو ملنے جلنے کے باعث وہ زندگی کے مسائل سے خوب واقف ہے۔ وہ اسلام کی محبت میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اینگلو محمڈن میرا ہی خون چوس کر نواب بنا پھرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ سرمایہ دار کمیونسٹ میرے نام پر لیڈری کرنا چاہتا ہے۔ اُسے کرسٹان بابو سے اُتنی ہی نفرت ہے جیسے کسی نجس جانور سے وہ "شریعت فروش مولوی نما مخلوق" کی حرکتوں سے بھی بدگمان ہو چکا ہے۔ اس نے جو پاکستان ناقابلِ تصور قربانیوں سے حاصل کیا ہے اُسے اِن جنگل کے بھیڑیوں اور پلیگ کے چوہوں کے ہاتھ میں نہیں چھوڑنا چاہتا۔

ادنیٰ ملازمت پیشہ چھوٹے درجے کے نوکری پیشہ بھی کرسٹان بابو سے بالکل مختلف ہیں گو ان کی دینی تعلیم نماز روزہ تک محدود ہے۔ اور انگریزی تعلیم ان کی کرسٹان بابو سے کم ہے لیکن وہ جانتے ہیں کہ کرسٹان بابو جھوٹا ہو سکتا ہے۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ وہ ملازمت کی مجبوریوں کے باعث احیاء خلافت کی تحریک میں پورا حصہ نہیں لے سکتے لیکن ان کے دل اس تحریک کے ساتھ ہیں۔ وہ اپنی حیثیت کے مطابق جو قربانی بھی ہو سکے گی اس مقصد کے لئے کریں گے۔ وہ بے دین طبقات کی بے انصافیوں سے تنگ ہیں آخر کرسٹان بابو کو ان پر افسری جتانے کا کیا حق ہے جب وہ پاکستان کے دین پر ہی نہیں چلتا اور کام بھی ادنیٰ ملازمت پیشہ سے تھوڑا کرتا ہے۔ وہ حکومت کی بدنظمی اور بددیانتی پر دل ہی دل میں کڑھتے ہیں لیکن کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ وزارت پر اینگلو محمڈن، افسری پر کرسٹان بابو اور لیڈری

پر سرمایہ دار کمیونسٹ یا شریعت فروش مولوی نما مخلوق مسلط ہے۔ ہماری سلطنت اور معاشرت دیندار زمیندار اور چھوٹے دکاندار کے بعد ادنےٰ ملازمت پیشہ کی کارگزاری سے بُری بھلی قائم ہے۔

مخلص نوجوان

یہ ہماری آنے والی نسل ہے جو گو ابھی زندگی کے معرکے میں اقتصادی لحاظ سے کوئی حصہ نہیں لے رہی لیکن اس کے خلوص، جوش، ہمت اور ذہانت سے احیاءِ خلافت کی تحریک کی تمام اُمیدیں وابستہ ہیں۔ جب وہ کوشش کے میدان میں نکلتے ہیں تو اینگلو محمڈن نواب کی روح تھرتھرانے لگتی ہے۔ ان کے نعرہ ہائے تکبیر سے مسلمانوں کا رُخ مدینہ سے ماسکو اور پیکنگ کی طرف پھیرنے کے خواہشمند سرمایہ دار کمیونسٹ کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ کرسٹان بابو اگر دنیا کی کوئی بات نہیں سمجھ سکتا تو وہ احیاءِ خلافت کی تحریک سے مخلص نوجوانوں کی وابستگی ہے۔ وہ کہتا ہے یہ تعصب، یہ دیوانگی ایک تیرہ سو سال پرانے پیغام کے لئے ان نوجوانوں میں کیوں پیدا ہو گئی۔ شریعت فروش مولوی نما مخلوق صدقے واری ہو کر مخلص نوجوانوں کو اپنے مکر کے ریشمی جال میں پھانسنا چاہتی ہے لیکن ساتھ ہی ان کے پُرخلوص دینی جوش سے خائف بھی ہے۔

مندرجہ بالا چار حامی طبقات کے علاوہ طلبہ، علماء، مشائخ، دیندار اساتذہ اور دردِ دل رکھنے والے وکلاء بھی احیائے خلافت کی تحریک میں مؤثر تائید و حمایت کا سامان فراہم کر سکتے ہیں۔ چونکہ علماء و مشائخ اور دیندار اساتذہ اس تحریک کے کوسس اور دعوتِ حقہ کے علمبردار ہیں۔ اس لئے ان کے الگ تذکرہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ طلبہ اور دیندار محبانِ وطن حامی شرافت طبقات کا تعارف ضروری معلوم ہوتا ہے۔

طلباء

عہد حاضر میں دنیا کی تمام تحریکوں کی ریڑھ کی ہڈی طلبہ اور تعلیم یافتہ نوجوان ثابت ہوتے رہے ہیں۔ روس کے انقلاب کی بنیاد طلبہ نے رکھی۔ چین کے انقلاب کا آغاز طلبہ نے کیا۔ مصر کی آزادی کی جدوجہد سب سے زیادہ قاہرہ کی یونیورسٹیوں کے طلبہ کی مرہونِ منت ہے۔ آغائے مصدق گو اپنی جدوجہد میں عارضی طور پر ناکام کر دیئے گئے لیکن ان کے دستِ راست بھی طہران کے طلبہ تھے۔ خود قیام پاکستان کی تحریک کا آغاز اور استحکام طلبہ کے ایثار کے بغیر ناممکن تھا۔ مشرقی پاکستان میں جب ایک رجعت پسند سیاسی پارٹی نے سات سال تک اقتدار کی گدی سے ملنے کا نام نہ لیا تو یہ طلبہ ہی تھے جنہوں نے اس کے فسوں کو توڑ کر رکھ دیا۔ اب تحریک خلافت پاکستان کے اوّلیں داعی بھی تعلیم یافتہ نوجوان ہی ہو سکتے ہیں۔ طلبہ کی اس سبقت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ معصوم جوش ایمانی سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔ انہیں فکر معاش نے ابھی پابزنجیر نہیں کیا ہوتا اور اُن کے ذہن میں تعلیم کی جلا پانے کے بعد کسی اعلیٰ مقصد کو سمجھنے، اس کے لئے دل میں ولولہ محسوس کرنے اور پھر اس کی خاطر انتھک کام کرنے کی استعداد ہوتی ہے۔

نظریاتی وجوہ سے قطع نظر افادی پہلو سے بھی تعلیم یافتہ نوجوان ہی یہ حق رکھتے ہیں کہ جس مملکت میں انہوں نے ابھی پوری زندگی بسر کرنی ہے جہاں انہوں نے اپنی تمام آرزوؤں کے خواب کی تعبیر دیکھنی ہے وہاں سے ناپسندیدہ عوامل کو دُور کرنے کے لئے پہلا قدم انہی کا اُٹھے۔ یہ ٹھیک ہے کہ طلبا عملی سیاسیات میں حصہ نہیں لے سکتے۔ انہیں ہر مسئلے کا علمی پہلو سے جائزہ لینا ہوتا ہے۔ لیکن تحریک تحفظ پاکستان کوئی سیاسی پارٹی تو نہیں یہ تو پاکستان کی بنیادی اقدار اور اساسی مقصد کو بچانے کی تحریک ہے۔ وہی تحریک جس کو حکیم الامّت نے شعر و فلسفہ کی زبان میں پیش کیا۔ جسے قائداعظم نے اپنی قوّتِ کردار سے ایک عظیم الشان مملکت کی صورت بخشی۔ وہی تحریک جس پر قائدِ ملّت نے اپنے خون کے آخری قطرے نثار کئے۔ دمِ نزع بھی اُن کے لبوں پر یہی دُعا تھی کہ "اللہ پاکستان کو بچائے"۔ اللہ ایسی نیک دعا کو ضرور قبول کرے گا۔ اور اس قبولیت کا وسیلہ وہ تعلیم یافتہ نوجوان ہوں گے جو کسی دنیاوی معاوضے کے طالب ہوئے بغیر ہر قسم کی حرص سے پاک رہ کر اپنا سب کچھ اس تحریک کو کامیاب بنانے پر قربان کر دیں گے۔

دین دار، محبّ وطن حامئ شرافت طبقات

طلباء کے علاوہ پاکستان کے معاشرے میں تین اور طبقات ایسے ہیں جو تحریک تحفظِ خلافت پاکستان میں بخوشی ہاتھ بٹائیں گے۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو ہر قسم کی کمزوریوں کے باوجود اپنے وطن سے شدید محبت کرتے ہیں۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو اس زمانے میں بھی دین کو زندگی کی سب سے قیمتی متاع تسلیم کرتے ہیں۔ تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جن کے گھرانوں میں شرافت کا ایک خاص معیار قائم ہے اور وہ اس معیار کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ تحریک خلافت پاکستان ان تینوں طبقات کی آرزوؤں کی ترجمان ہوگی۔ تحریک میں شامل ہونے والے افراد قیام پاکستان کے بنیادی مقاصد سے خود آگاہی حاصل کریں گے۔ اپنے حلقۂ اثر کو قائل کریں گے۔ اور تحریک کے مرکز سے لٹریچر منگوا کر اس کے مطالعہ سے تحریک کو تقویت پہنچائیں گے۔

خلاصۂ کلام

قدرت نے انسان کو عقل و طاقت دے کر دنیا میں اپنا نائب اس لئے مقرر کیا تھا کہ اپنے کمزور کم عقل بھائیوں کی مدد اور رہنمائی سے انسان وہ بلند مراتب حاصل کرے جو فرشتوں کے بھی نصیب میں نہ تھے۔ انسان کو اس نعمت سے بہرہ ور کرنے کے لئے مالک الملک نے اپنے آخری نبیؐ کے ذریعے آخری شریعت بھی نازل کرکے دین اور نعمت کو مکمل کردیا تھا۔ افسوس شیطان نے انسان کے سر میں خود حکمراں اور خود مالک ہونے کا خلل پیدا کرکے دنیا میں وہ فساد کھڑا کیا کہ آج دنیا کا ہر ملک، ہر نظام اور ہر قوم اپنے عقل کے بت تراش کر خود ان کی پرستش سے قعر مذلت میں غرق ہے۔ روس کی اشتراکیت ہو، امریکہ کی سرمایہ داری ہو یا برطانیہ کی جمہوریت ہر جگہ چند خود غرض مکار اور جھوٹے لوگوں نے خدا کی اکثر سادہ لوح، ناسمجھ اور عاجز مخلوق پر طرح طرح کے منتر پھونک کر اپنے فرعون اور قارون بننے کا انتظام کر رکھا ہے۔ اشتراکیت ماؤزے تنگ اور کوسی گن کی غلامی ہے، جمہوریت ولسن کی پیرو ہے اور سرمایہ امریکہ کے چند یہودیوں کا پابند ہے۔ صرف جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی دنیا کے ہر شرک سے چھٹکارا دلا کر ہمیں صحیح آزادی اور سچی مساوات سے روشناس کرا سکتی ہے۔ ہندوستان اندرا گاندھی، چاون، نندہ اور سورن سنگھ کو "برہمن" مقرر کرکے خود کھشتوں اور شودروں کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اہل پاکستان کسی فرد واحد، کسی ایک طبقہ، کسی امیر یا مزدور کے غلام نہیں۔ ہمیں بوریئے پر سونے والے اور کالی کملی اوڑھنے والے آقا کی فرمانبرداری نے دنیا کی بہترین قوم بنا دیا ہے۔ ہمیں مساواتِ محمدی نے شرعی خلافت کی سلطنت دی ہے۔ یہاں اس کا درجہ اونچا ہے جو متقی، پرہیزگار، خدا ترس، محنتی اور لائق ہو۔ یہاں شجرۂ نسب، زبان، دنیاوی جائداد یا منطق کے بکھیڑوں سے لیڈری نہیں مل سکتی۔

یاد رکھو دنیا کا ہر قانون کوئی انسان بنائے گا۔ ہر انسان کسی فرقہ یا طبقہ سے تعلق رکھتا ہوگا۔ لہٰذا انسان کا بنایا ہوا قانون کسی گروہ کی ناجائز طرفداری اور دوسروں پر ظلم کرے گا۔ ظلم اور بے انصافی سے فساد پیدا ہوگا۔ صرف اللہ کی شریعت سے امن، انصاف اور ترقی ممکن ہے۔ صرف شرعی خلافت سے ظالم اور مظلوم، نیک اور بد، مستحق اور غیر مستحق کی سچی تمیز ہو سکتی ہے۔ اس لئے صرف "تحریک خلافت پاکستان" میں شامل ہو کر تم دنیا میں اور پاکستان میں صحیح حریت، مساوات اور نجات کے لئے انقلاب پیدا کر سکتے ہو۔ ایسا انقلاب جس سے تمہاری دنیا کے ساتھ آخرت

بھی سنور جائے۔

مزدور اور سرمایہ دار کا مسئلہ، کسان اور زمیندار کا مسئلہ، صوبائی تعصب اور علاقائی خودمختاری کا مسئلہ، کشمیر کا مسئلہ، قبلۂ اول کی آزادی کا مسئلہ، بھارتی مسلمانوں کا مسئلہ، روزگار کا مسئلہ، بے پردگی اور فحاشی کے انسداد کا مسئلہ، دنیا اور آخرت کا مسئلہ، علم و جہالت کا مسئلہ، طاقتور اور کمزور کا مسئلہ اور ہمچو قسم دیگر مسائل آج تم میں سے ہر ایک کو للکار للکار کر پکار رہے ہیں کہ تحریک خلافت پاکستان میں شامل ہو جایئے۔

تحریک خلافت پاکستان کی ضرورت، اس کے مقاصد، مسائل، مراحل اور وسائل کے متعلق جو معروضات پیش کی گئی ہیں۔ اُن سے جس مسلمان کو اتفاق ہو وہ اس تحریک کا اپنے ہاں آغاز کرنے میں حسب ذیل پتہ پر اپنی آمادگی سے راقم الحروف کو مطلع کر سکتا ہے۔ جب ایثار پیشہ مخلصین کی کم از کم تعداد فراہم ہو جائے تو تحریک کا کام شروع کر دیا جائے۔ مقامی داعی اپنی مجلس شوریٰ بنا کر عملی نظام دعوت کھڑا کر دے۔

طریق کار

(۱) اگر آپ تحریک خلافت پاکستان کے مقاصد سے متفق ہیں تو سب سے پہلے مرکزی دفتر سے یہ پمفلٹ منگا کر اس کے مندرجات سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ اس میں تحریک خلافت پاکستان کا سارا پروگرام تفصیل سے درج ہے۔

۲۔ ہر بالغ پاکستانی تحریک کے میثاقِ رکنیت پر دستخط کر کے یا اس کی قبولیت کے اظہار کے طور پر انگوٹھے کا نشان ثبت کر کے شامل ہو سکے گا۔

۳۔ تحریک کے مقاصد میں مذکورہ بالا چھ مثبت اور تین منفی اصولوں کی تبلیغ و اشاعت کو ہر کام پر مقدم سمجھا جائے۔

۴۔ تحریک موجودہ آئین، موجودہ اقتصادی نظام، موجودہ تنظیم اقتدار یا موجودہ سرکاری تعلیم و تربیت کے اداروں میں بحیثیت تحریک کے اپنے نمائندے داخل نہ کرے گی۔ بلکہ ان کی اساسی اصلاح کے لئے اپنی متبادل تجاویز موجودہ آئین، قانون اور نظم و نسق کا پابند رہتے ہوئے پیش کرے گی۔

۵۔ اقتدار یا دولت کے لالچ سے یہ تحریک بری الذمہ رہے گی۔ نہ ہی اس تحریک کے زیادہ عہدے دار ہوں گے صرف ایک داعی ہو گا تو ۵، ۹ ، ۱۱ اور پندرہ ارکان تحریک پر مشتمل ایک مجلس مشاورت مقرر کرے گا۔ مرکز، صوبہ، ضلع، تحصیل، تھانہ اور ذیل میں داعی ہوں گے۔

۶۔ تحریک کا ایک سادہ سا آئین، مطبوعہ اغراض و مقاصد اور قرطاس رکنیت ضرور ہو گا۔ جس میں پیش کردہ مقاصد اور پابندیٔ آئین و نظم و نسق کا طریق کار شامل ہو گا۔

۷۔ تحریک کی رکنیت کا کوئی چندہ نہ ہو گا اور اس لئے کوئی علیحدہ فنڈ بھی نہ ہو گا۔

۸۔ داعی کی مجلس شوریٰ کے علاوہ ہر مرحلہ پر ایک مجلس دعوت و تبلیغ بھی مقرر کی جائے گی جس کا کوئی اختیار سوائے مذکورہ بالا مقاصد، طریق عمل اور میثاق رکنیت کی دعوت و تبلیغ کے کچھ نہ ہو گا۔ (ضلع، تحصیل، تھانہ، ذیل اور گاؤں میں) مشرقی اور مغربی پاکستان دونوں جگہ مجالس دعوت و تبلیغ قائم کی جائے گی۔

۹۔ مجلس دعوت و تبلیغ کا رکن صرف اُس شخص کو مقرر کیا جائے گا۔ جو دامے، درمے، قدمے، سخنے اپنی ذمہ داری پر اور اپنی جیب سے خرچ کر کے تحریک کی خدمت کا عہد کرے اور جمعہ کے روز قریب ترین مسجد میں تحریک کے لئے تائید حاصل کرے۔

۱۰۔ مجالس دعوت و تبلیغ کی مختلف تقریبات کے لئے مقامی آبادی اپنی جیب سے اگر کچھ وقتی طور پر خرچ کرے یا اپنی کوشش سے حصہ لے تو

اُس کی ممانعت نہ ہوگی۔ لیکن تحریک کے نام پر کوئی چندہ یا فنڈ جمع رکھنے کی ممانعت ہوگی۔ تعاون کا ہر خواہشمند خود اپنی آمدنی سے اور اپنی تحویل و نگرانی میں اس مقصد کے لئے کوئی فنڈ پس انداز کرے تو اس کی ترغیب دی جائے گی اور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

ایثار پیشہ کارکن

اگر اس نمونے پر ایک تحریک قائم ہو جاتی ہے اور اس کے علمبردار اُسی طرح پاکستان کے طول و عرض میں سرگرم عمل ہو جاتے ہیں جس طرح تحریک پاکستان کے دور آغاز میں مسلم پریس کی ناطاقتی، مسلم لیگ کی محدود تنظیم اور قائداعظم کی یکّا و تنہا قیادت کا ہاتھ بٹانے کے لئے سیاسی جماعت سے کوئی فائدہ نہ اُٹھانے والے اور کوئی تعلق نہ رکھنے والے سرفروش نوجوان اور علماء و مشائخ ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمان غاصبین اور غداروں کے علاوہ ہندو اور انگریز کی مشترکہ مخالفت کے باوجود کام کرنے لگ گئے تھے۔ تو یہ عمل نہ فقط تحریک کی کامیابی کی ضمانت ہوگا۔ بلکہ بجائے خود تحریک کی سب سے بڑی کامیابی اور کارنامہ ہوگا۔

قیادت کا انقلابی تصوّر

جب معاشرے کی موجودہ دیواریں گر جاتی ہیں، جب سیاسیات کی پامال راہیں مسدود ہو جاتی ہیں، جب مسلّمہ اقدار مشکوک ہو جاتی ہیں تو اس زمانے میں کام کا طریقہ یہ نہیں ہوا کرتا کہ جس قانون کا کوئی احترام نہیں کرتا اس کی عدالت میں چارہ جوئی کی جائے۔ جس تجویز کے حامی محروم اقتدار اور مخالف، غاصبِ اقتدار ہوں تو اس کے غم میں صفیں بچھا کر ماتم کے مرثیے پڑھے جائیں یا جو سہانے خواب بیت گئے انہیں یاد کر کے وقت کاٹا جائے بلکہ ایسے مرحلے پر نئے معاشرے کی دیواریں استوار کی جاتی ہیں۔ نئے مقاصد اور نئے ولولے سے مردہ رگوں میں خونِ زندگی دوڑایا جاتا ہے۔ مظلوموں کی آواز کسی نئے انداز سے منظّم کر کے ظلم کا ہاتھ روک دیا جاتا ہے۔ ایسی جدوجہد میں تجویز کے بجائے عمل، اخباری بیانات کی جگہ ٹھوس تنظیم اور قانونی موشگافیوں کی نسبت ایک تازہ قوّت فراہم کی جاتی ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے۔ جس سے دنیا کا ہر انقلاب کامیاب ہوا۔ یہی وہ طریقہ تھا جسے گاندھی نے کھدر کا چرخا چلا کر اور سوت کی چھلیاں کات کر انگریز کے توپ و تفنگ کو شکست دی۔ یہی وہ طریقہ تھا جس سے زار کے ستم آفریں عہد میں انقلاب روس کا بیج بویا گیا۔ یہی وہ طریقہ تھا جس کی مدد سے آج سے چالیس پچاس سال پہلے کا مفرور موزے تنگ جدید چین کا خالقِ انقلاب بنا۔ اس طریقہ کو منطق کی حدود اربعہ، ذہن کی نازک خیالی اور ڈرائنگ روم کی عبارت آرائی میں سمونا مشکل بلکہ محال ہے۔ یہ جنون کا نسخہ ہے اور جنونِ عمل سے ہی تیار ہو سکتا ہے۔ البتہ اس کے لئے جنونِ عزیمت و اعتقاد شرطِ اوّل ہے۔ اگر آپ کو پاکستانی ملّت کے مقدّر پر بھروسہ نہیں، اگر آپ مملکت کا تحفظ فقط اعلان تاشقند کے زبانی بخیے ادھیڑ کر اور استخلاص کشمیر اور بھارتی مسلمانوں کے لئے اخبارات میں سیاہی اچھال کر اور لاؤڈ سپیکر کے سامنے گلے پھاڑ کر ہی انجام دینا چاہتے ہیں تو پھر یہ تجویز آپ کو سمجھانا بھی مشکل ہے اور اس پر عمل تو خیر محال ہوگا۔ لیکن اگر اصول سے اتفاق ہے۔ تو تفصیلات کی اصلاح آپ خود کر لیجئے۔ اس صورت میں باتیں کم اور کام زیادہ کرنا چاہیئے۔

عبدالستّار خان نیازی

داعی تحریک خلافت پاکستان

نیازی منزل الکشمی بلڈنگ میکلوڈ روڈ لاہور

۱۰ر فروری سنہ ۱۹۷۰ء

(چٹان پرنٹنگ پریس میکلوڈ روڈ لاہور)

تحریکِ خلافت پاکستان
کے
اغراض و مقاصد

نکات

۱۔ پاکستان، اسلام کی عالمگیر انقلابی تحریک کو، ہمارے وطن کی سرزمین سے شروع کرنے کا نام تھا ہم نے ابھی فقط بیرونی غلامی سے سیاسی نجات، حاصل کی ہے۔ صنعتی طور پر کچھ ترقی ہوئی ہے لیکن اقتصادی معاشرتی، اخلاقی، ثقافتی، تعلیمی اور مذہبی لحاظ سے اُس انقلاب کی تکمیل باقی ہے جو علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کی قیادت میں کفرستان کو پاکستان بنانے کے لئے شروع کیا گیا تھا۔ ہم نے گذشتہ بتیس سال اس انقلاب کی تکمیل میں سردھڑ کی بازی لگائی ہے اُسی طرح آئندہ بھی اسلام کے عالمگیر انقلاب کی علمبرداری کی کوشش کریں گے۔

۲۔ دنیا میں فقط ایک ہی اسلام ہے جو آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو زندگی اور آخرت کے ہر پہلو میں ہر لحاظ سے بغیر مشروط طور پر تسلیم کرنے کا نام ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے متعلق ہر اختلاف، سلفِ صالحینؒ کی فقہی راہنمائی میں موجودہ اُمت کے اجماع سے طے کرنا واجب ہے۔ قرآن مجید یا اسلام کی کوئی ایسی تعبیر قابل قبول نہیں جو جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم یا اسلامی فقہ سے انحراف کرکے پیش کی جائے۔

۳۔ چونکہ ملت اسلامیہ پاکستان کو جو اختیارات ملے ہیں وہ اللہ رب العالمین اور جناب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر حاصل کئے گئے ہیں اس لئے ارکان تحریک خلافت پاکستان حکومت میں نیابت اور دولت میں امانت کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے آئین پاکستان کی تمام مقتضیات کی تعبیر اور تنفیذ شریعت اسلام کے مندرجہ ذیل چھ مثبت اور تین منفی اصولوں کے پابند ہوں گے

(ا) مثبت اصول :-

(۱) قطعیت فرامینِ کتاب (قرآن) (۲) ختمیتِ احکام رسالت (سُنّت) (۳) توسّل منہاج خلافت (سنّت خلفائے راشدینؓ، صحابہ کرامؓ، ائمہ، فقہاء وسلف صالحینؒ) (۴) اتبّاع مسلکِ اجماع (۵) اطاعتِ فتویٰ وفیصلہ (۶) تمسکِ میثاق بیعت۔

(ب) تین منفی اصول :-

(۱) امتناع فرعونیت (شرک اور جور و استبداد کی ممانعت) (۲) امتناع قارونیت (ظلم اور استحصال کی ممانعت)

(۳) امتناع یزیدیت (تلبیس دین اور منافقت کی ممانعت)

۴۔ پاکستان کے آئین، قانون یا کسی ملکی ضابطہ کا کوئی حکم اُس وقت تک نافذ نہیں ہونا چاہیئے جس وقت تک کہ وہ مذکورہ بالا چھ مثبت اور تین منفی اصولوں کے ماتحت واجب نہ ہو جائے۔ اور کسی عدالت میں کوئی شخص جج یا مجسٹریٹ نہ ہونا چاہیئے جب تک کہ وہ مفتی اور قاضی کی شرائط پر پورا نہ اُترتا ہو۔ جو موجودہ عہدیدار اس شرط پر پورے نہیں اُترتے اُن کی تربیت اور تعلیم کا سرکاری انتظام عبوری زمانہ کے لئے ہونا چاہیئے اور اس مقصد کے لئے خاص امتحانات ہونے چاہیئں جن میں علمی قابلیت کے علاوہ

(باقی صفحہ ۴۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

نقشہ خلافتِ پاکستان

۱۹۳۷ء میں بانی تحریک خلافتِ پاکستان مولانا محمد ابراہیم علی صاحب چشتی مرحوم و مغفور نے یہ نقشہ انٹر کالجیٹ مسلم برادرھڈ میں شائع کیا۔ ۱۹۳۹ء میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے اپنا نصب العین قرار دیا۔ ۱۹۴۰ء میں خلافت پاکستان کانفرنس منعقد کی گئی۔ ۱۹۴۴ء میں خلافت پاکستان کے قیام کا مکمل منصوبہ کتابی شکل میں پیش ہوا۔ ۱۹۴۷ء میں قائد اعظمؒ نے مشرقی و مغربی پاکستان کو ملانے کے لئے کاریڈور (خطہ اتصال) کا مطالبہ کیا اور ۱۹۴۸ء میں مسلم لیگ خلافتِ پاکستان گروپ قائم ہوا اور داعی تحریک نے نکات عشرہ کا پروگرام پیش کیا۔

آئین خلافتِ پاکستان

B.P.C رپورٹ کے بعد ۱۹۵۲ء میں آئین خلافت پاکستان پیش کیا گیا۔ ۱۹۵۵ء میں مزید وضاحت کے لئے "مسودہ آئین خلافت پاکستان" بزبان انگریزی بانی تحریک نے شائع کیا۔ اس وقت سے لیکر آج تک سزائے موت بنگال ریگولیشن، مقدمات، بغاوت، آتش زنی اور ڈکیتی، قاتلانہ حملوں اور نظر بندی جیسے سنگین مصائب و نوائب کا مقابلہ کرتے ہوئے نصب العین کے حصول کی جد و جہد جاری رکھی گئی اور اب مشرقی و مغربی منطقوں کی وحدت و استحکام اور بھارتی و کشمیری مسلمانوں کے تحفظ و استخلاص کے لئے عظیم تر پاکستان کا خاکہ بطور قطعی حل پیش کیا ہے۔

منشور و نکات تحریک

از

مجاہد اسلام عبد الستار خان نیازی داعی تحریک خلافت پاکستان۔

Chatan Printing Press, 88 - McLeod Road, LAHORE.